ہیلو انٹرنیشنل

شادی کیلئے تین بار استخارہ کیا
ڈاکٹر طاہر القادری

ہمیں پاکستان اور
پاکستانیوں سے پیار ہے
پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار
(ڈائریکٹر یونس ایمرے ترکش کلچرل سنٹر، لاہور)
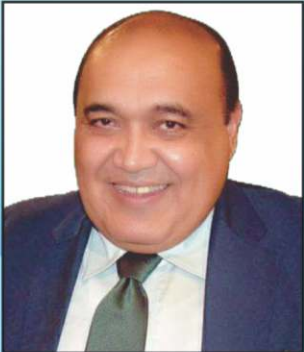
پاکستان سوشل کلب عمان کے انتخابات
میاں محمد منیر پینل کی جیت

اسکینڈل بنا تو خاموش ہوگئی
مائرہ خان

عمان کے ثقافتی میلے

Shezan
Twist
mango
strawberry
6.76 fl oz (200ml)
Shezan
Nutrition Facts
HALAL
200ml

روح أفزا
وماذا تريد غيرها!
PAKISTAN
Hamdard
شربت
رُوح افزا
شركة زهرة المجد للتجارة ش.م.م.

WARRANTY
2
YEAR
PANEL & PARTS
MusicTV
Blastic
Sound
Music TV
E3800
ECO
Smart Eco Plus
A+
A+ Class Panel
USB2.0
Media Player
اُردُو
Urdu Language
Ultra Narrow Bezel

www.hellointernational.com

www.hellointernational.com
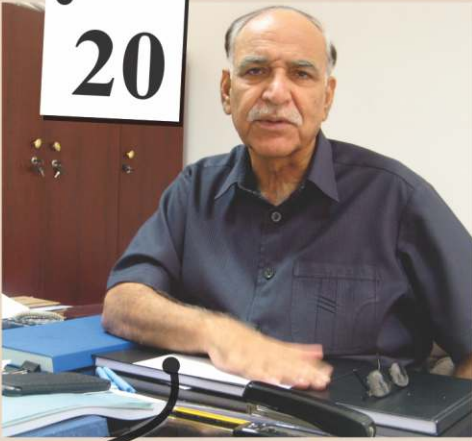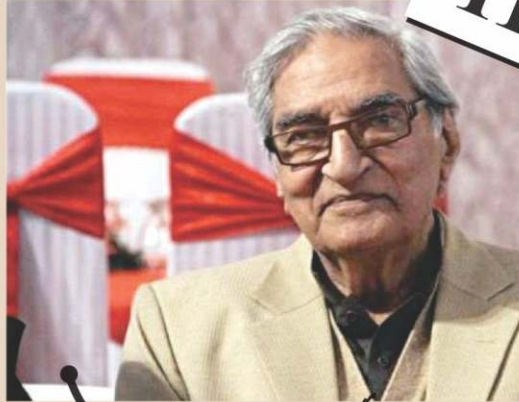
Correspondents

Oman:
Nazir Ahmed Wattoo
UAE:
Muhammad Shafiq
Kuwait:
Abdul Shakoor
Sadaqat Ali Tirimzi
Saudia:
Dr. Muhammad Yousaf
Greece:
Ansar Iqbal Basra
Spain:
Nasrullah Ch
Bahrain:
Riaz Shahid
Publisher:
Maqsood-ul-Haq Gohar
34-New Samanabad LHR
Printer:
Muhammad Younis Sethi
Exotic Printer Temple
Road Lahore, Pakistan.
Tel: 0092 42 37561030

ہیلو انٹرنیشنل

HELLO INTERNATIONAL

www.hellointernational.com

HELLO INTERNATIONAL

Vol. 12, Issue # 9, April, May 2018

اس شمارے میں

HELLO INTERNATIONAL
Postal Address: 258-N, Samanabad Lahore. Pakistan. Ph: 0092-37561030
editor@hellointernational.com

ھیلو!

نئی امید

نئے سال کا سورج نئی تبدیلیوں کی نوید لے کر طلوع ہوتا ہے۔کچھ کرنے اور آگے بڑھنے کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔مگر سال گزرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم تو وہیں کھڑے ہیں بلکہ اور پیچھے چلے گے۔

ہیں۔گزشتہ ستر سال سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے۔مایوسی اور امید کا ملا جلا ساتھ ہے۔کبھی طویل اندھیرے کا گمان ہوتا ہے اور کبھی اس اندھیرے میں سے امید کی روشن کرن پھوٹتی ہے دکھائی دیتی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے سوال کیا کہ جن کیلئے آپ پاکستان بنا رہے ہیں کیا وہ واقع ایک قوم ہیں؟ تو قائداعظم نے فرمایا تھا کسی خطے کے لوگوں کو ایک قوم بننے لئے سو سال درکار ہوتے ہیں۔

پاکستان بنے ستر سال ہو چکے ہیں۔زیادہ سفر طے کر چکے ہیں،تھوڑا باقی ہے۔نئی تبدیلیوں کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔امید ہے نیا سال نئی تبدیلیوں کی روشن کرنیں لے کر آئے گا۔ایسی تبدیلیاں جو مضبوط پاکستان کی بنیاد بنیں گی۔

دار الأوبرا السلطانية مسقط
ROYAL OPERA HOUSE MUSCAT

کہتے ہیں کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زندگی میں کچھ سیکھنا چاہتے ہیں تو سفر کریں۔ سفر آپ کو وہ کچھ سکھا دیتا ہے جو آپ جمود والی زندگی سے نہیں سیکھ سکتے۔ اگر سفر وسیلہ ظفر نہیں بھی بنتا تو کم از کم نئے تجربات سے ہمکنار ضرور کرتا ہے۔ یہ تجربات اگر تلخ بھی ہوں تو نئی آگاہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر نیا تجربہ نئے سبق کا کام دیتا ہے۔ جب بھی سفر عمان کا تصور کیا نئے اور خوشگوار تجربات سے گزرنا پڑا۔ دوستوں سے اتنی محبت ملی کہ مشکلات بھی مشکلات نہیں لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر مشکلات کے باوجود ''**ہیلو انٹرنیشنل**'' کی اشاعت کا سلسلہ رکا نہیں۔ ہر مرتبہ سوچتا ہوں کہ اس مرتبہ تاخیر نہیں ہوگی۔۔۔۔ مگر تاخیر ہے کہ ہو کے رہتی ہے اس مرتبہ تو کچھ زیادہ ہی ہوگئی۔ ہر مرتبہ کچھ ایسے ناگہانی عوامل سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں جو باعث تاخیر بن جاتے ہیں۔ نامساعد حالات کے باوجود سفر رکا نہیں۔ اس لئے کہ عشق کا سفر رکتا نہیں جب تک عاشق کی سانس باقی ہے، جاری رہتا ہے۔ ''**ہیلو انٹرنیشنل**'' کی اشاعت کا سفر بھی عشق کا سفر ہے جب تک سانس ہے، جاری رہے گا۔ ہر شمارہ بہتری کی امید لے کر آرہا ہے۔ نئی راہیں دکھا رہا ہے۔ جو سفر اکیلے شروع کیا تھا وہ کارواں میں تبدیل ہورہا ہے۔ کاروان عشق کا یہ سفر یونہی جاری رہے گا۔

پچھلی مرتبہ جب عمان آیا تو حسن عباسی میرے ہم سفر تھے وہ مسقط میں پاکستان سوشل کلب کے لٹریری ونگ کے

شاعرانہ فضا اور کاروانِ عشق کا سفر

عمدہ شاعری، شاندار کمپیئرنگ یادگار مشاعرہ

عالمی مشاعرے میں شرکت کے لئے جارہے تھے۔ اس مشاعرے کا اہتمام لٹریری ونگ کے ہیڈ ناصر معروف اور ان کی ٹیم نے کیا تھا۔ اس مشاعرے میں قطر سے فرتاش سید، بحرین سے ریاض شاہد، اسلام آباد سے رخسانہ سحر صاحبہ، لاہور سے زاہد فخری اور حسن عباسی تشریف لائے تھے۔ مقامی شعرا میں محمد علی فضل، ناصر معروف، عذرا علیم، عابد جاوید مغل، موسیٰ کشمیری، شکیل شہاب، اجمل ساقی، ذاکر حسین ذاکر، فہیم ضیاء اور محمد نسیم شامل تھے۔ مشاعرے کی صدارت کے فرائض زاہد فخری نے سرانجام دیئے۔ مشاعرے کی میزبانی کی ابتدا تو مقبول شیخ نے کی بعد ازاں شکیل بخاری نے میزبانی کے فرائض ادا کئے۔ سچی بات انہوں نے میزبانی اور کمپیئرنگ کا حق ادا کردیا۔ موقع محل کی مناسبت سے انہوں نے اشعار کا جو استعمال کیا اس نے مشاعرے کو چار چاند لگا دیئے۔ مہمان شعرا میں سے ابتدا ریاض شاہد نے کی تو خاتون شاعرہ رخسانہ سحر، حسن عباسی اور پھر فرتاش سید نے مشاعرے کو انتہا تک پہنچا دیا۔ جب صدر مشاعرہ مائیک پر تشریف لائے تو انہیں مشاعرے کے جوش اور ولولے کو بیلنس کرنے کے لئے پہلے گفتگو کے ذریعے اور پھر شاعری کے ذریعے موضوع تبدیل کرنا پڑا۔ ہر حوالے سے یہ یادگار مشاعرہ تھا۔ جو مدتوں یاد رہے گا۔ بلاشبہ اس مشاعرے کے انتظام اور اہتمام کا کریڈٹ ناصر معروف اور ان کی ٹیم کو جاتا ہے جنہوں نے اسے کامیاب بنانے کے لئے محنت اور لگن سے کام کیا۔ مشاعرے میں شریک ہونے والی نمایاں شخصیات میں سید فیاض علی شاہ، میاں محمد منیر، حاجی محمد بوٹا، عابد مجید، رانا فضل الرحمٰن چودھری محمد عباس، زعیم اختر، امجد فاروق، آفتاب گیلانی، چودھری محمد اقبال، عمران اقبال، شبیر احمد ندیم، جاوید چودھری، ضیاالحق، چودھری اصغر علی، محمد رضوان، انجینئر ثناء اللہ، مسلم محمود بن محمد، اختر سلیم، ڈاکٹر اسد اور بہت سے دیگر احباب شامل تھے۔

ہماری اور دیگر مہمان شعرا کی میزبانی کے فرائض عابد جاوید مغل نے سرانجام دیئے۔ اس دوران مختلف احباب کی جانب سے مہمان شعرا کے اعزاز میں ضیافتوں کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ ایک دعوت سید فیاض علی شاہ صاحب کی طرف سے تھی۔ جس کا اہتمام انہوں نے اپنے گھر پر کیا تھا اس دعوت میں مہمان شعرا کے علاوہ پاکستانی کمیونٹی کی اہم شخصیات شامل تھیں۔ ایسی تقریب تھی جیسے آپ شاہی ضیافت میں شریک ہورہے ہوں۔ سید فیاض علی شاہ صاحب ہر مہمان پر خود انفرادی اور خصوصی توجہ

دے رہے تھے۔اس تقریب میں بھی مہمان شعرا کے علاوہ پاکستانی کمیونٹی کی اہم شخصیات نے شرکت کی۔

اسی طرح چودھری عباس اور مقبول شیخ کی طرف سے مہمان شعرا کے اعزاز میں تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔

اسی دوران محمد اسلم نواب صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔اسلم نواب حسب معمول چہرے پر مسکراہٹ سجائے ملے۔وہ بنیادی طور پر ٹرانسپورٹر ہیں۔پاکستان سوشل کلب کے ڈائریکٹر کے طور پر پاکستان کمیونٹی کی سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ان سے جب بھی ملاقات ہوئی محبت اور خلوص سے ملے۔

اس مرتبہ مسقط کے علاوہ صحار اور بریمی جانے کا موقع بھی ملا۔صحار میں طارق ملک صاحب کی پرخلوص میزبانی نے متاثر کیا۔ساتھ ساتھ چودھری شوکت ، میاں شہباز ،سرفراز رحمت ،ریاست علی بلوچ سمیت دیگر احباب کی طرف سے شاندار پذیرائی ملی۔

صحار سے بریمی تک سفر میں نذیر وٹو ہمارے ساتھ رہے۔ان کا ساتھ نہ ہوتا تو اتنا طویل سفر ممکن نہیں تھا۔بریمی میں پاکستان سوشل کلب کے سربراہ رانا فضل الرحمن سے ملاقات بھی یادگار رہی۔ان کی محبت،ان کا خلوص سب سے منفرد تھا۔اس ملاقات کے دوران اس بات کا تذکرہ ہوا کہ سوشل کلب بریمی اپنی کمیونٹی کے لئے کیا خدمات انجام دے رہا ہے۔یہ خدمات تعلیمی اور سماجی حوالے سے ہیں۔

بریمی میں ہی محمد ابراہیم زمان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ،ان کے اعلیٰ اخلاق نے بے حد متاثر کیا ۔ پہلی ملاقات ہی سالہا سال کی شناسائی محسوس ہوتی تھی۔ پردیس بھی دیس ہی لگنے لگا تھا۔یہ سچ ہے ان صحراوں میں محنتی اور جفاکش پاکستانی محبت اور خلوص کے پھولوں کی فصل اگا رہے ہیں۔اپنی محنت اور ہنر مندی سے وطن کی نیک نامی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

صحار میں سادہ مزاج، دین اور وطن کی محبت سے سرشار یونس قادری صاحب سے طویل ملاقات بھی یادگار ہے۔ یونس قادری حج اور عمرہ کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔

برکاء میں محمد علی فضل صاحب کی شفقت اور محبت ہمیشہ میسر آئی ہے۔وہ پاکستان سوشل کلب کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان سے مل کر ہمیشہ نیا حوصلہ ملتا ہے۔ ان کے ذریعے دو شخصیات سے ملنے کا موقع ملا ۔ دونوں شخصیات میں سادگی ، محبت اور مہمان نوازی نمایاں انداز میں نظر آئی ۔ غلام مرتضیٰ قادری خوبصورت انداز میں نعت خوانی کرتے ہیں۔حاجی محمد بوٹا پاکستانی کمیونٹی کی خدمت کے سلسلے میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

صلالہ کا سفر بھی حسب سابق خوشگوار رہا۔صلالہ میں فضل حسین صاحب جو کہ صلالہ فلاحی کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود انکساری اور عاجزی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ سچی بات ہے کہ ہم ان کے خلوص اور محبت کے انتہائی مقروض ہیں۔راجہ اشرف کی سرپرستی بھی ہمیشہ میسر آئی ہے۔وہ صلالہ میں طویل عرصے سے پاکستانی کمیونٹی کی خدمت کے لئے کوشاں ہیں۔اسی طرح نذیر احمد بسرا صاحب سے ملاقات بھی خاصی دلچسپ رہی۔انہوں نے قدم قدم پر محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا۔ ان کا بنیادی تعلق فیصل آباد سے ہے مگر طویل عرصے سے صلالہ میں مقیم ہیں اور شاہی گارڈن کے منتظم کی حیثیت خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی کمیونٹی کی خدمت کے حوالے سے بھی متحرک نظر آتے ہیں۔صلالہ میں ہی پروفیسر اقتدار صاحب سے ملاقات ہوئی۔وہ مقامی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں اور ساتھ منہاج القرآن اور صلالہ فلاحی کمیٹی کے پلیٹ فارم سے فلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کے توسط سے ہمیں مختلف شخصیات سے ملاقات کا موقع ملا۔

صلالہ سے براہ راست پاکستان آنا چاہتے تھے مگر پاکستان سوشل کلب کے لٹریری ونگ نے مسقط میں ایک اور شعری نشست کا اہتمام کر رکھا تھا۔یہ معروف شاعر فرحت عباس شاہ کے ساتھ ایک شام تھی ۔ ناصر معروف کی محبت اور فرحت عباس شاہ کی خوبصورت شاعری نے مسقط واپسی پر مجبور کر ہی دیا۔سوشل کلب کے جناح ہال میں منعقدہ یہ شام واقعی انتہائی حسین تھی ۔ اگر شرکت نہ کرتے تو ملال رہتا۔محمد علی فضل صاحب کی پنجابی شاعری اور سرپرستی ، مقامی شعرا کا خوبصورت کلام اور پھر محترمہ عذرا علیم صاحبہ کی خوبصورت کمپیئرنگ ۔ اور پھر خوبصورت شاعری نے تقریب میں ہر طرح کے رنگ بھر دیئے تھے۔رنگوں کی برسات میں پتہ نہیں چلا کہ طویل پروگرام کب ختم ہوگیا۔ فرحت عباس کے ساتھ اسی پروگرام میں بحرین سے آئے شاعر طارق اقبال نے بھی شرکت کی ۔اگلے روز دونوں شعرا کے اعزاز میں بھی تقریبات پذیرائی کا اہتمام کیا گیا اور پھر واپسی کا سفر فرحت عباس کے ساتھ ہی طے ہوا۔ابھی تک ان خوبصورت تقریبات اور سفر کی تصویر ذہن میں محفوظ ہے۔

چیئرمین سینیٹ

صادق سنجرانی کا سیاسی سفر

بلوچ قبیلے سنجرانی سے تعلق رکھنے والے صادق سنجرانی 14 اپریل 1978 کو بلوچستان کے قیمتی معدنیات سے مالامال ضلع چاغی میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم آبائی علاقے نوکنڈی سے حاصل کی اور مزید تعلیم کیلئے اسلام آباد منتقل ہوگئے جہاں سے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔

صادق سنجرانی کے والد خان محمد آصف سنجرانی کو ضلع چاغی کے قبائل میں نمایاں مقام حاصل ہے جو اس وقت چاغی ضلع کونسل رکن ہیں۔

خان محمد آصف سنجرانی کے سب بڑے بیٹے صادق سنجرانی نے سیاسی کیریئر کا آغاز پاکستان مسلم لیگ ن کے پلیٹ فارم سے کیا اور 1998 میں اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کے معاون کے طور پر کام کیا اور 1999 میں جنرل مشرف کے مارشل لا تک اسی عہدے میں رہے۔

بعدازاں وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت کے قریب آئے اور پارٹی کے شکایات سیل کے انچارج مقرر ہوئے جہاں وہ پانچ سال تک عہدے میں رہے۔

ان کے بھائی رازق سنجرانی سینڈک میٹلز لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں اور دوسرے بھائی محمد اعجاز سنجرانی بلوچستان کے وزیراعلی کے کوآرڈی نیٹر ہیں۔

صادق سنجرانی نے بلوچستان کے سابق وزیراعلی نواب ثنااللہ زہری کے ساتھ خصوصی اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔

بلوچستان میں صوبائی حکومت کے خاتمے کے بعد سامنے آنے والے نئے اتحاد نے انھیں سینیٹر منتخب کیا جس کے بعد پی ٹی آئی اور پی پی پی سے مشاورت کے بعد چیئرمین سینیٹ کا امیدوار نامزد کیا اور ڈرامائی انداز میں پہلی مرتبہ ایوان میں آنے والے امیدوار چیئرمین سینیٹ منتخب ہوگئے۔

صادق سنجرانی کو سابقہ حکومتوں میں کام کرنے کے باعث انتظامی معاملات میں خاصا تجربہ حاصل ہے جہاں ہو وہ 1999 تک وزیراعظم کے کوآرڈینیٹر، شکایات سیل، انسپکشن سیل اور وزیراعظم سیکریٹریٹ کے رکن رہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں 2009 میں وزیراعظم سیکریٹریٹ، چیف کوآرڈینیٹر، مشیر اور وزیراعظم کے شکایات سیل سے وابستہ رہے۔

چیئرمین سینیٹ منتخب نے اس وقت بحیثیت چیف ایگزیکٹیو پاکستان ٹیسٹنگ سروس، سنجرانی مائننگ کمپنی اور ڈائریکٹر ایچ آر کمیٹی آف نیشنل انڈسٹریل پارکس ڈیولپمنٹ اینڈ منیجمنٹ کمپنی سے وابستہ ہیں۔

ہمیں پاکستان اور پاکستانیوں سے پیار ہے

پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار

(ڈائریکٹر یونس ایمرے ترکش کلچرل سنٹر، لاہور)

پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار طویل عرصہ سے استنبول یونیورسٹی ترکی میں اُردو زبان کی درس وتدریس کے حوالے سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ استنبول یونیورسٹی شعبہ اُردو کے سربراہ بھی ہیں۔ اس حوالے سے ان کا پاکستان سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہ پاکستان کی تہذیب وثقافت کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ جب حکومت ترکی کی طرف سے پاکستان میں کلچرل سنٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اس سنٹر کو قائم کرنے اور چلانے کے لیے ڈاکٹر خلیل طوقار کو منتخب کیا گیا اور اس کلچر سنٹر کے قیام کے سلسلے میں وہ پاکستان تشریف لائے اور کلچرل سنٹر کے قیام کے سلسلے میں کام شروع ہوگیا۔ اب یہ کلچرل سنٹر لاہور میں مکمل ہو چکا ہے اور سرگرمیوں کا آغاز کر چکا ہے جبکہ کراچی میں تکمیلی مراحل طے کر رہا ہے۔ اس سنٹر کا نام معروف ترک صوفی شاعر یونس ایمرے کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ گذشتہ دنوں یونس ایمرے کلچرل سنٹر کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار سے

ملاقات ہوئی تو کلچرل سنٹر کے حوالے سے ان سے طویل گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو کی تفصیل قارئین کی نذر ہے۔

سوال: ترکی میں پاکستان کا تصور کیا ہے؟

جواب: ترک پاکستان سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور پاکستان کا احترام بھی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ وہاں کسی اور ملک کا اتنا زیادہ احترام نہیں کیا جاتا جتنا پاکستان کا کیا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سب سے بڑے اسباب تاریخی ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات 1947ء سے ہی نہیں ہیں، قیام پاکستان سے قبل بھی ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ ترکی کی خلافت عثمانیہ مسلمانوں کا مرکز تھی۔ جب بھی ترکی پر مشکل وقت آیا ہندوستان کے مسلمانوں نے ہماری مدد کی، خصوصاً روس کے ساتھ خلافت عثمانیہ کی جنگ میں ہندوستانی مسلمانوں نے ترکی کا بھرپور ساتھ دیا اور آزادی کی تحریک کے ہر مرحلے پر ترکی کے ساتھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ ہمارے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی دیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی قربانیوں کی تاریخ ہمیں ابھی تک یاد ہے اور یہ ہم اپنے بچوں کو بھی بتاتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے کس طرح ہمارا ساتھ دیا تھا۔ ہم جب بچے تھے تو ہمارے بزرگ کہانیوں کی صورت میں ہندوستانی مسلمانوں کی قربانیوں کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ اس سے ہمارے دلوں میں چھوٹی عمر سے ہی برصغیر میں ہندوستانی مسلمانوں کا احترام پیدا ہوتا گیا۔ جب پاکستان بن گیا تو وہ مسلمان چونکہ پاکستان چلے آئے، چنانچہ احترام کا وہ تعلق پاکستان کے ساتھ وابستہ ہو گیا جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ آج کوئی پاکستانی ترکی جاتا ہے تو وہاں کے لوگ پاکستانیوں کو پوری محبت اور احترام دیتے ہیں۔ ہم آج بھی یہ تاریخی ورثہ اپنے بچوں کو منتقل کر رہے ہیں۔ ہم ہندوستانی مسلمانوں کا بھی ویسے ہی احترام کرتے ہیں کیونکہ اب یہ وابستگی پاکستان کے ساتھ ہے۔ ہم بھولنے والی قوم نہیں ہیں۔ ہمیں پاکستان سے پیار ہے، محبت ہے اور دل سے احترام کرتے ہیں۔

سوال: پاکستان میں کلچرل سنٹر بنانے کا خیال کیسے آیا؟

جواب: تقریباً دس سال سے اس کے لیے کوششیں ہو رہی تھیں، آپ کو معلوم ہے کہ سرکاری کاموں کی رفتار ذرا سست ہوتی ہے، درمیان میں حکومتیں بدلتی رہیں اس لیے کوششیں کبھی تیز اور کبھی سست ہوتی رہیں، آخر کار چھ سال قبل ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے جس میں لاہور اور کراچی میں ثقافتی مراکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور گزشتہ سال اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے لاہور میں تو یہ ثقافتی مرکز مکمل ہونے کے قریب ہے جبکہ کراچی میں اس حوالے سے کام جاری ہے۔ میں لاہور کے ساتھ ساتھ کراچی کے معاملات بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد ہم اسلام آباد اور پشاور کے حوالے سے بھی دیکھیں گے۔

سوال: کلچرل سنٹر میں کن چیزوں کو فوکس کیا ہے؟

جواب: یونس ایمرے کلچرل کے ذریعے ہم اپنی زبان اور ثقافت کو ہی فروغ نہیں دینا چاہتا بلکہ ہم پاکستان کے ساتھ مشترکہ تاریخی اور تہذیبی ورثے کو نہ صرف اُجاگر کرنا چاہتے ہیں بلکہ اُسے بحال بھی کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: ترکی کے ٹی وی ڈرامے تو پاکستان میں بے حد مقبول ہیں، ان کے ذریعے جدید ترکی کی ثقافت ادھر منتقل ہو رہی ہے، کیا لٹریچر کو بھی اُردو زبان میں منتقل کریں گے؟

جواب: سب کچھ ہو گا مگر رفتہ رفتہ ہی ہو پائے گا۔

سوال: ترکی کی فلمیں بھی دکھائی جا سکتی ہیں؟

جواب: دُنیا بھر میں جو ہمارے ثقافتی مراکز ہیں وہ ترکش فلموں کے ویک مناتے ہیں۔ یہ فلمیں سب ٹائٹلنگ کے ساتھ دکھائی جاتی ہیں۔ ترکی میں تین چار قسم کی فلمیں بنتی ہیں۔ ایک تو تاریخی اور مذہبی قسم کی فلمیں بنتی ہیں۔ دوسری سیکولر قسم کی فلمیں بنتی ہیں۔ اس کے ساتھ کمیونسٹ لوگ اپنے نظریات کے مطابق بھی فلمیں بناتے ہیں، چونکہ جدید ترکی اور پاکستان کے کلچر کا جو فرق ہے ہمیں اس کے مطابق فیصلہ کرنا ہو گا کہ یہاں کس طرح کی فلمیں دکھائی جائیں جنہیں یہاں کے عوام قبول کریں۔ ہم یہ فلمیں یہاں ڈب کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ سلسلہ بہت جلد شروع کریں گے۔ ترکی میں نظریاتی سطح پر زیادہ پابندیاں نہیں ہیں، سب کو اپنے عقائد، نظریات اور سوچ کے مطابق کام کرنے کی اجازت ہے۔

سوال: کیا ترکی میں بھی مذہبی فرقہ واریت ہے؟

جواب: وہاں صوفی ازم کے حوالے سے طریقت کے بہت سے سلسلے تو ہیں مگر اس طرح کی فرقہ واریت نہیں ہے جس

پاکستان کا ٹی وی ڈرامہ ترکی میں مقبول ہے

ترکی میں مذہبی فرقہ واریت نہیں ہے

ہندی فلمیں دیکھ کر اُردو سیکھنے کی خواہش ہوئی

پاکستان کا کلچر میرے لیے اجنبی نہیں تھا

طرح پاکستان میں ہے۔

سوال: استنبول یونیورسٹی میں اُردو ڈیپارٹمنٹ کب بنا؟

جواب: استنبول یونیورسٹی کا پہلا نام دارالفنون ہے۔ 1915ء میں علی گڑھ سے دو بھائی خیری برادران آتے ہیں، ایک کا نام عبدالستار خیری تھا اور دوسرے کا نام عبدالجبار خیری تھا۔ ان دونوں نے ہماری یونیورسٹی میں اُردو زبان پڑھانے کا آغاز کیا۔ ان دنوں ترکی میں دو تین اُردو اخبارات بھی شائع ہوتے تھے۔ ان دنوں ترک حکومت استنبول سے لے کر سربیا اور بلغاریہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ جرمنی، ہندوستان اور سعودی عرب کا کچھ علاقہ بھی اس میں شامل تھا۔ 1918ء میں جنگ آزادی میں شکست اور استنبول پر اتحادی فوجوں کے قبضے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر 1985ء میں جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں میرے سسر ڈاکٹر غلام حسین وہاں پڑھانے کے لیے گئے تو اس وقت میں بھی فارسی پڑھنے کے لیے وہاں گیا تھا مگر اُردو کی تدریس کا سلسلہ دیکھا تو میں نے بھی اُردو میں داخلہ لے لیا۔ 1990ء میں وہ واپس آ گئے کیونکہ ترکی میں ایک قانون ہے کہ صدر شعبہ ترک نہیں ہو گا تو مزید نہیں پڑھا سکتے۔ پھر 1994ء میں وہاں اُردو کا شعبہ قائم کر دیا گیا۔ اس وقت طلبہ بھی کثیر تعداد میں اُردو میں داخلہ لینے لگے تھے۔

سوال: ترک اسٹوڈنٹس کتنی تعداد میں شعبہ اُردو میں داخلہ لیتے ہیں؟

جواب: بہت زیادہ۔ اب تو پہلے امتحان لیتے ہیں، اس کے بعد داخلہ ملتا ہے۔

سوال: آپ کے ذہن میں کب خیال آیا کہ اُردو سیکھنی ہے؟

جواب: ہمارے بچپن میں ٹی وی تو اتنا نہیں تھا، سینما جاتے تھے۔ وہاں ڈبنگ کے ساتھ فلمیں لگتی تھیں۔ خصوصاً ہندی فلمیں دیکھتے تھے۔ ان فلموں کے گانے اچھے لگتے تھے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے ہر مشکل گھڑی میں ہماری مدد کی

اس وقت سوچتا تھا کہ جب بڑا ہوں گا تو اس زبان کو ضرور سیکھوں گا۔ پھر جب میں یونیورسٹی گیا تو انہی دنوں ڈاکٹر غلام حسین اُردو پڑھانے کے لیے وہاں آئے تھے۔ ان کے طالب علموں میں سے ایک میں ہوں۔ ہمارا بی اے چار سال کا ہے۔

سوال: یہاں آ کر پاکستان کا کلچر کیسا لگا؟

جواب: اجنبی نہیں لگا۔ پہلے ہم نے کلچر انڈین فلموں کے ذریعے دیکھا۔ آج اور ماضی میں بہت فرق ہے۔ پہلے فلموں میں نارمل زندگی دکھائی جاتی تھی مگر اب نہیں۔ ''آوارہ'' کو لے لیں اس میں عام زندگی تھی مگر آج وہ انداز نہیں ہے۔ آج بہت عجیب ہے۔ انڈین فلموں میں پاکستان کی نسبت بداخلاقی بہت زیادہ ہے۔ میں 1990ء میں پہلی دفعہ یہاں آیا تھا۔ یہاں شہر تو دیکھے ہیں مگر ابھی تک دیہات نہیں دیکھ سکا، اس لیے بھی دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ جب بھی آ رہا ہوں کسی کانفرنس یا تقریب کے سلسلے میں آ رہا ہوں۔ میری بڑی خواہش تھی کہ کھیوڑہ میں نمک کی کان دیکھوں مگر موقع نہیں ملا۔ گزشتہ دنوں ترکی سے مہمان آئے تو انہیں دکھانے کے بہانے مجھے بھی وہاں جانے کا موقع ملا۔ مجھے پاکستان گھومنے کا بہت شوق ہے مگر مصروفیت کے سبب موقع نہیں مل رہا۔ مجھے کلچر سے زیادہ زبان پسند ہے۔

سوال: کلچرل سنٹر میں زبان سکھانے کے علاوہ اور کیا ہو گا؟

ہم پاکستان کے ساتھ ثقافتی تعلق کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں

جواب: مختلف موضوعات کے حوالے سے مختلف تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا۔ ترکش فلموں کی نمائش بھی کی جائے گی، کوشش کر رہا ہوں کہ ترکش فلمیں اُردو ڈبنگ کے ساتھ دکھائی جائیں۔

سوال: ترکی میں پاکستانی فلموں کا کیا سکوپ ہے؟

جواب: وہاں پاکستانی ٹی وی ڈرامہ دیکھا جاتا ہے جو کہ بہت مقبول ہے۔ پاکستانی ڈرامے ترکش ڈبنگ کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

سوال: کیا ایسا ممکن ہے کہ پاکستان اور ترکی کے مشترکہ ثقافتی پروگرامز پیش کیے جائیں؟

جواب: جی بالکل ممکن ہے۔ مشترکہ صوفی فیسٹیول پیش کیے جا سکتے ہیں، اس سلسلے میں میری پنجابی لینگوئج انسٹیٹیوٹ کی ڈی جی صغریٰ صدف صاحبہ سے بات بھی ہوئی ہے۔ ہمارے معاہدے میں طے ہے جس طرح ہم یہاں کلچرل سنٹر قائم کریں گے، اسی طرح پاکستان بھی ترکی میں اپنے کلچرل سنٹر بنا سکتا ہے۔ ترک گورنمنٹ اس سلسلے میں تعاون کرے گی۔ ہمارے صدر پاکستان سے بہت پیار کرتے ہیں۔ پاکستان تعاون کے لیے وہ ہمہ وقت تیار ہوتے ہیں۔ سابق پاکستانی سفیر جمیل صاحب اس حوالے سے کام کرتے رہے۔ وہ ہماری یونیورسٹی کے اُردو ڈیپارٹمنٹ میں بھی تشریف لائے تھے۔ پہلی مرتبہ کسی پاکستانی سفیر نے اُردو میں تقریر کی ورنہ اس سے پہلے تمام پاکستانی سفیر انگریزی میں تقریر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مینگو فیسٹیول کا انعقاد بھی کیا گیا۔ اب پاکستان سے ترکی میں پاکستانی آم جا رہے ہیں۔ میں نے ترکی میں جشن اُردو کا اہتمام کیا تھا مگر اسے اُردو تک محدود نہیں رکھا۔ اگر رکھتا تو اس میں ہماری یونیورسٹی کے چند طالب علم ہی شریک ہوتے۔ میں نے اس میں تحریک خلافت کو بھی شامل کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے سبھی لوگ اس میں شریک ہوئے۔ مختلف ممالک سے وفود نے شرکت کی۔ تین دن وہ کانفرنس جاری رہی۔

سوال: جو پاکستانی ترکی کا وزٹ کرنا چاہتے ہیں، ترک گورنمنٹ ان کے ساتھ کیا تعاون کرتی ہے؟

جواب: ترک گورنمنٹ کی طرف سے مکمل تعاون کیا جاتا ہے۔ اب جو لوگ امریکہ کے لیے ہوائی سفر کرتے ہیں۔ وہ براستہ ترکی جاتے ہیں، وہاں رُکتے ہیں۔ پاکستانی مسافر اگر ترکی گھومنا چاہیں تو انہیں ایئرپورٹ پر ہی ویزہ جاری کر دیا جاتا ہے۔ ان سے ویزہ فیس بھی کم لی جاتی ہے۔

سوال: مستقبل میں پاک ترک تعلقات کو کیسے دیکھتے ہیں؟

جواب: میں تو مزید بہتر دیکھ رہا ہوں، مستقبل میں یہ دونوں ممالک مزید قریب آئیں گے۔ ترکی پاکستان کے ساتھ ہر طرح کے تعاون کے لیے تیار ہے۔ صدر اردگان اور ہمارے وزیراعظم کے کئی مشیر پاکستان سے فارغ التحصیل ہیں۔

سوال: کیا مستقبل میں مسلم اُمہ کا اتحاد بنتا دیکھ رہے ہیں؟

جواب: ہونا چاہیے۔ کوئی ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے، جس کے ذریعے مشکل میں گرفتار مسلم ممالک کی مدد کی جا سکے۔ بین الاقوامی سطح پر مشترکہ فیصلے کیے جا سکیں۔ اُمید ہے ایسی کوئی صورت ضرور بنے گی۔

سوال: کیا مستقبل میں کوئی ایسا پروگرام ہے کہ ترک لٹریچر کے تراجم اُردو میں کیے جائیں تاکہ یہاں کے لوگ اس سے روشناس ہو سکیں؟

جواب: پروگرام تو ہے مگر یہ مشکل کام ہے۔ ہمارے ہاں اُردو ترجمہ کرنے والے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ انہیں اُردو نہیں آتی۔ اگر یہاں اچھے اُردو دان ہیں تو انہیں ترکی نہیں آتی۔ اس کے باوجود کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا سلسلہ بن جائے جس کے ذریعے ترک لٹریچر کے اُردو میں منتقل کرنے کا کام ہو سکے۔

منو بھائی

ایک عہد جو بیت گیا.....

وہ الفاظ کا نگران اور کہی ہوئی بات کا پاسبان تھا

ڈاکٹر عبدالکریم خالد

منو بھائی، ایک فرد نہیں، ایک عہد اور زمانے کا نام ہے جو 19 جولائی 2018ء کو جمعے کے روز بیت گیا۔ یوں بیتا کہ میں اور آپ ششدر رہ گئے۔ کیا منو بھائی بھی مر سکتا ہے؟ گداز لفظوں کے کھلونوں سے کھیلنے والا، اپنی بات دوسرے کے دل میں اُتارنے والا، ایک ہنرمند انسان، جملہ بنانے اور دل میں ترازو کرنے والا، لفظ کا نگران اور کہی ہوئی بات کا پاسبان منو بھائی بھی مر سکتا ہے؟ ''کُلّ من علیھا فان ویبقیٰ وجہُ ربک ذوالجلال والاکرام'' o

منو بھائی نے ایک بار پہلے بھی موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا، جب وہ شدید بیمار ہو گیا تھا اور اس کے بچنے کا کوئی چارہ نہ رہا تھا مگر قدرت کو اُسے بھیجنا منظور نہ تھا اور وہ اچھا بھلا ہو گیا اور اس نے کچھ دن اور جی لیا۔ مگر نئے سال کے پہلے مہینے ہی میں اُسے بلاوا آ گیا اور وہ چپ چاپ فرشتہ اجل کے ساتھ ہو لیا، اُسے اپنی کوئی نظم سنانے کے لیے یا درفتگاں پر لکھا ہوا کوئی کالم پڑھانے کے لیے۔

منو بھائی کی موت پر ایک عجیب رائگانی کا احساس دامن گیر ہے۔ منو بھائی جیسے لوگ جب تک ہم میں موجود ہوتے ہیں، ہمیں اُن کے ہونے کا احساس نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے کسی شعر کے ذریعے اور کسی جملے کے ذریعے ہمارے احساس کے کواڑ کو کھٹکھٹاتے رہتے ہیں، لیکن ہم اُن کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے اور پہلو بدل کر آنکھیں موند لیتے ہیں۔ پھر جب اچانک ایک روز ان کی سناؤنی آ جاتی ہے تو ہم تاسف میں ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

منو بھائی کی صحافت اور کالم نگاری کا زمانہ میری ایج گروپ کے لوگوں کے سامنے گزرا ہے، ستر اور اسّی کی دہائی کے آس پاس کالم لکھنے والے تو بہت تھے مگر ایک منو بھائی تھے جن کے کالم ہر نسل کے لوگوں کا کیریئر تھے، ہمیں ہر روز ان کے کالم کا انتظار رہتا۔ ''امروز'' ویسے بھی سنجیدہ طبقے کا اخبار تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک لکھنے والے موجود تھے مگر منو بھائی کے کالم ایک نئی دُنیا کا پتا دیتے تھے۔ کالم سر سے پاؤں تک دیکھنے کے لائق ہوتا۔ مجال ہے کوئی ایک جملہ بھی پڑھنے سے رہ جائے۔ اخبار کی خواندگی کا آغاز ان کے کالم سے ہی ہوتا، کالم ختم ہوتا تو نظر اِدھر اُدھر خبروں سے ہو کر پھر ان کے کالم پر آ ٹکتی۔ وہ اس دور کے مقبول ترین کالم نگار تھے۔ ''گریبان'' کھلتا تو منو بھائی طوطی ہزار داستان بنے کسی نئی کہانی، داستان کے ساتھ آ موجود ہوتے اور اپنے چھوٹے چھوٹے اثر انگیز جملوں کے ذریعے پڑھنے والوں کے دل میں اُترتے چلے جاتے اور پھر کئی روز تک چائے خانوں کی میزوں پر لوگوں کی گفتگو کا موضوع رہتے۔

منو بھائی نے روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں 1955ء سے مترجم کی حیثیت سے صحافت کا آغاز کیا۔ ابتدا میں ان کی تنخواہ بہت کم تھی مگر بعد میں ان کی عمدہ کارکردگی کے باعث تنخواہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی اخبار میں اُن کا پہلا کالم ''دید شنید'' کے نام سے 1957ء میں شائع ہوا۔ عجیب بات ہے کہ اُن کے والد، جو ریلوے میں ملازم تھے، انہیں بھی ریلوے میں بھرتی کرانا چاہتے تھے مگر منو بھائی جو اس دور میں منیر احمد قریشی تھے، ریلوے کی ملازمت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ بچپن ہی میں انہوں نے بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ان کے دادا غلام حیدر امام مسجد تھے لیکن وہ لوگوں کی روٹیوں پر گزارہ کرنے والے امام مسجد نہیں تھے بلکہ دن کے اوقات میں کتابوں کی جلد بندی کر کے پیسے کماتے تھے۔ ان کے پاس جلد بندی کے لیے جو کتابیں آتی ہیں وہ منو بھائی کے شوق مطالعہ کی آبیاری بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ کتب بینی کے اسی شوق نے انہیں علم و ادب کی راہ پر ڈال دیا۔ اسی لیے روزنامہ تعمیر کی ملازمت کے دوران انہیں ترجمہ کرتے ہوئے کوئی دقت پیش نہ آئی اور بعد میں کالم نگاری کے میدان میں بھی انہوں نے اسی مطالعہ کے سبب مضبوطی سے اپنے قدم جما لیے اور وہ بہت جلد علمی، ادبی اور صحافتی حلقوں میں شہید ہو گئے۔ ان کی اسی شہرت نے انہیں روزنامہ ''امروز'' کی راہ دکھائی جہاں سے انہوں نے ''گریبان'' کے نام سے اپنی کالم نگاری کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ منو بھائی کا ''امروز'' کا دور نہایت شاندار رہا۔ ''امروز'' کے بند ہونے تک وہ اسی اخبار سے وابستہ رہے۔ ''مساوات'' جاری ہوا تو انہوں نے چیف رپورٹر اور کالم نگار کے طور پر ''مساوات'' جوائن کر لیا۔ بعد میں روزنامہ ''جنگ'' لاہور میں کالم نگاری کی اور یہ سلسلہ ان کی موت تک جاری رہا۔

6 فروری 1933ء کو وزیر آباد میں جنم لینے والے منو بھائی، جگت بھائی تھے۔ وہ خالص پنجابی تھے مگر ''بھائی'' ان کے نام کا مستقل حصہ بن گیا اور اصل نام منیر احمد قریشی کہیں بہت پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے کالم نگاری کے ساتھ ساتھ دیگر ادبی اصناف، ڈرامہ اور شاعری میں بھی نام پیدا کیا۔ انہوں نے پی ٹی وی کے لیے خوبصورت اور مقبول ڈرامے تخلیق کیے۔ 1982ء میں ان کا لکھا ہوا ڈرامہ ''سونا چاندی'' بے حد پسند کیا گیا۔ اس ڈرامے نے منو بھائی کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ اس کے علاوہ ''گمشدہ''، ''خوبصورت''، ''آشیانہ''، ''جزیرہ'' اور ''جھوک سیال'' ان کے مقبول ڈراموں کی فہرست میں شامل ہیں۔

منو بھائی کے فنی اور تخلیقی کمال کا ایک دریچہ شاعری کی طرف بھی کھلتا ہے۔ ان کی پنجابی شاعری اپنے عہد کی معاشرت اور سماجی روّیوں کا ہو بہو عکس پیش کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں نہ صرف معاشرے کے خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں بلکہ اس طرزِ احساس سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے جو ایک گہرے کرب، دُکھ اور درد و غم سے لبریز ہے۔

ان کی شاعری اپنے عہد کی معاشرت اور سماجی رویوں کا عکس ہے

ان کی ایک نظم ''احتساب دے چیف کمشنر صاحب بہادر......'' میں ملک کی موجودہ صورتحال کی شاندار عکاسی کرتی ہیں جس میں مقتدر طبقے کی لوٹ مار، کرپشن اور زمینوں پر قبضے کی روداد بیان کی گئی ہے۔ ان کی اس المیاتی نظم میں آج کا عہد آئینہ ہو کر سامنے آ گیا ہے۔

ان کی ایک خوبصورت نظم میں ان کا ذاتی کرب یوں سامنے آتا ہے:

اوہ وی خوب دیہاڑے سَن
بُھکھ لگدی سی منگ لیندے ساں
مل جاندا سی کھا لیندے ساں
نئیں سی ملدا رو پیندے ساں
روندے روندے سو رہندے ساں
ایہہ وی خوب دیہاڑے نیں
بُھکھ لگدی اے منگ نئیں سکدے
مِلدا اے تے کھا نئیں سکدے
نئیں ملدا تے رو نئیں سکدے
نہ رویئے تے سو نئیں سکدے

اس نظم میں منو بھائی نے اپنی ذات کے حوالے سے نہ صرف اپنے عہد کے فرد کی کتھا بیان کی ہے بلکہ مجموعی حوالے سے اُن کے عہد کا آشوب ان چند سطروں میں سمٹ آیا ہے۔

یوں تو اس دُنیا میں کوئی شخص مکمل نہیں ہے اور نہ ہی سوائے ایک ہستی کے کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے مگر کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جو نمود و نمائش سے بالا ہو کر شب و روز کام میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ''کسب کمال کُن کہ عزیز جہاں شدی'' کی زندہ مثال ہوتے ہیں۔ منو بھائی نے اپنی صحافتی اور ادبی زندگی سے الگ خدمت انسانیت کے لیے بھی خود کو وقت کر رکھا تھا۔ وہ SAFMA کے رُکن تھے۔ پندرہ برس تک اس کے بورڈ آف گورنرز کے صدر رہے۔ انہوں نے بچوں کے موذی مرض کے خاتمے کے لیے ''سندس فاؤنڈیشن'' قائم کیا جو ترقی کر کے ایک بڑا ادارہ بن گیا اور موذی مرض میں مبتلا ہزاروں بچوں کے لیے اُمید کی روشنی بن گیا۔

منو بھائی ایک بے غرض اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ وہ صبر و قناعت کا بے مثال نمونہ تھے۔ قلندری اور درویشی کا وصف ان کے پورے وجود میں رچا ہوا تھا۔ اس عہد میں جبکہ میڈیا سے وابستہ لوگ کسی اور ہی دُنیا کی مخلوق نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں سمٹے ہوئے سادگی اور انکسار کی بُکل مارے ہوئے گوشہ نشین سے نظر آتے تھے۔ نہ کسی کے لیے بغض و حسد نہ کسی سے دُشمنی۔ ایک بے ریا شخص، جو شہرت کے بام پر پہنچ کر بھی گمنام سا نظر آتا تھا۔ بہت آگے دیکھنے والا شخص۔ ایک دفعہ اپنے ایک کالم میں ضیاء الحق کو مخاطب کر کے لکھ دیا کہ آپ کی آنکھیں دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ آپ کے چہرے پر 88 لکھا ہوا ہے چنانچہ وہ 1988ء ہی میں فضائی حادثے کا شکار ہوا''۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
بت خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

لاھور پلاک کے زیر اہتمام میلا چراغاں کے سلسلہ میں منعقدہ تین روزہ تقریبات کی تصویری جھلکیاں

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری کا یہ انٹرویو اگست ۱۹۹۶ میں کیا گیا۔ یہ اس حوالے سے یادگار تھا کہ پہلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب کا انٹرویو ان کی اہلیہ محترمہ اور بچوں کے ساتھ ان کی نجی زندگی کے حوالے سے تھا۔ یہ فیملی میگزین میں شائع ہوا اور اسے بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ اختصار کے پیش نظر اس انٹرویو میں سے صرف ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے ساتھ ہونے والی گفتگو ذیل میں شائع کی جا رہی ہے۔

شادی کیلئے تین بار استخارہ کیا تھا

ڈاکٹر طاہر القادری

مصروفیت کے باوجود گھر والوں سے پورا انصاف کرتا ہوں
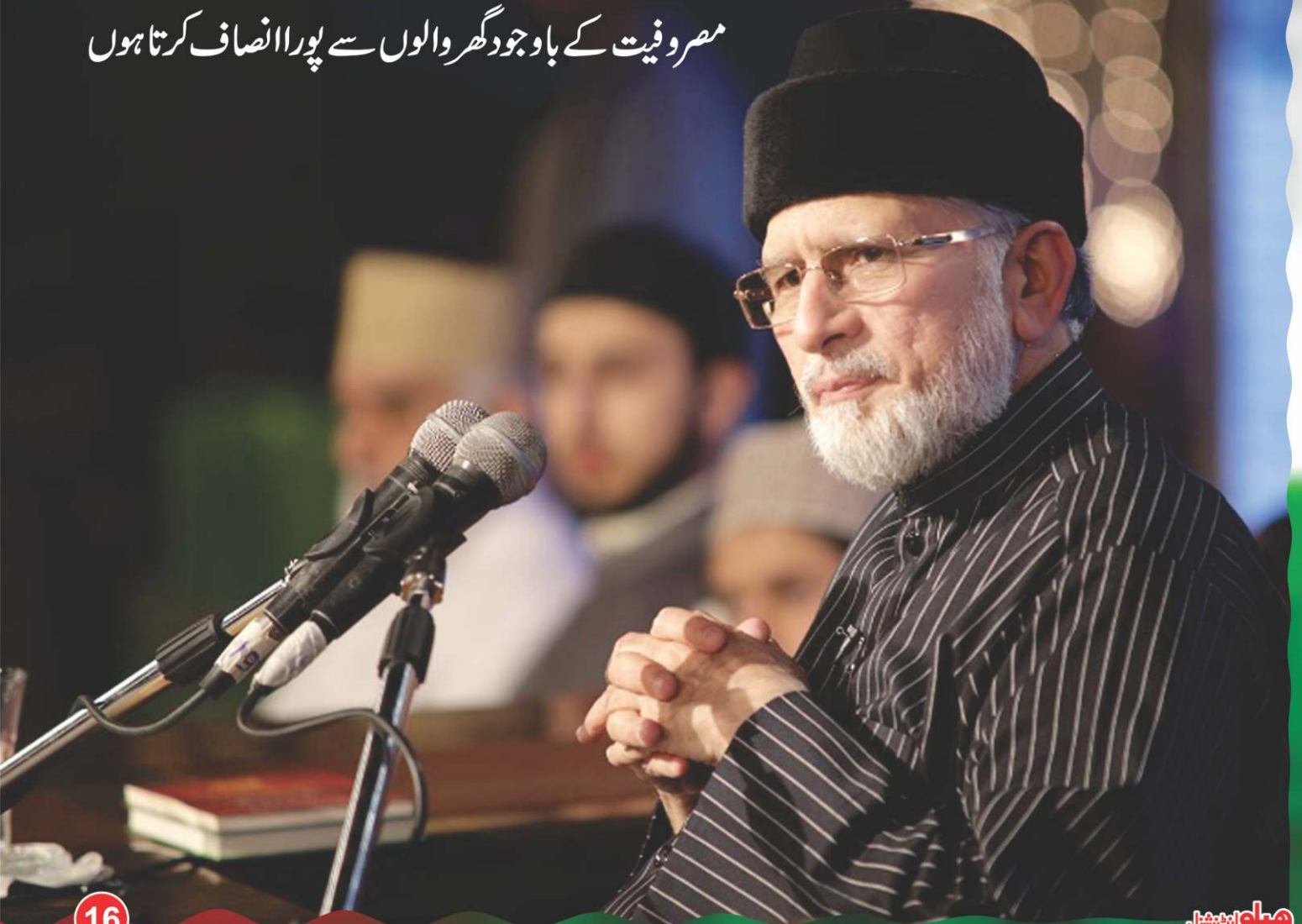
ہم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی رہائش گاہ پر ان کے ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر صاحب کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ہماری طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتے تو کوئی نہ کوئی ملاقاتی آ جاتا اور ڈاکٹر صاحب پھر مصروف ہو جاتے۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب کہنے لگے، باقی لوگوں سے میں بعد میں مل لوں گا، پہلے انٹرویو سے فارغ ہو جاؤں۔ ہماری طرف متوجہ ہوئے، بسم اللہ پڑھی۔ ہم نے ارد گرد نظر دوڑائی تو ان کی تنظیم سے متعلقہ احباب کمرے میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ "یہ انٹرویو آپ کی نجی اور ازدواجی زندگی کے حوالے سے ہے، ہو سکتا ہے آپ بعض سوالات کے جوابات دوسروں کے سامنے دینا مناسب نہ سمجھیں"۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے "میں نے اپنے کسی معاملے کو ذاتی نہیں سمجھا۔ جو بھی بات ہو اس کا جواب بلا جھجک سب کے سامنے دے دیتا ہوں۔ بہر حال آپ کہتے ہیں تو میں اصحاب کو اندر آنے سے منع کر دیتا ہوں"۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق کمرے میں صرف ہم لوگ ہی رہ گئے تو ہم نے ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کا آغاز کیا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب آپ کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟

جواب: میرے والد صاحب فرید الدین پیشے کے اعتبار سے طبیب تھے۔ وہ بہت بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ شاعری میں شکیل بینائی کے شاگرد تھے۔ شاعری اور ادب میں ان کا بلند مقام تھا۔ ان کا شمار جید علماء میں ہوتا تھا۔ والد صاحب تصوف، روحانیت، جدید ایلوپیتھک سائنس، علم و ادب، علوم شریعہ کے حوالے سے ہمہ جہت شخصیت تھے۔ محترمہ والدہ صاحبہ خالصتاً گھریلو خاتون تھیں۔ والد صاحب کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی زوجہ کی وفات کے بعد دوسری شادی ہوئی جس میں سے میں پیدا ہوا۔ والد صاحب کی پہلی زوجہ (ہماری پہلی والدہ) سے دو بہنیں اور ایک بھائی یعنی تین بہن بھائی تھے۔ پھر ہماری والدہ سے والد گرامی کی جو اولاد ہوئی ان میں تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ میرا بھائی **21** سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس نے کیمیکل میں انجینئرنگ کی تھی۔ دوسرا بھائی حیات ہے۔ اس نے الیکٹریکل انجینئرنگ کی۔ اپنی والدہ کی اولاد میں سے میں سب سے بڑا تھا۔

سوال: والدین آپ کو کیا بنانا چاہتے تھے؟

جواب: والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں۔ ان کی یہ خواہش میرے ایف ایس سی کرنے تک برقرار رہی۔ یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے جہاں سے ان کا مجھے ڈاکٹر بنانے کا ارادہ بدل گیا۔ زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے ڈاکٹر بننے کا شوق نہیں تھا۔ میں اس وقت جس لائن میں ہوں میری بچپن سے ہی اس لائن میں کام کرنے کی خواہش تھی۔ میں نے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا تھا مگر تین چار مہینے بعد ہی والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا "اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ایف ایس سی کی بجائے آرٹس کے مضامین لے لوں۔ دراصل میں ایم بی بی ایس کرنا نہیں چاہتا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ میرا ذوق ہی نہیں ہے اس لیے شاید اس لائن میں بہت بڑا نام نہ پیدا کر سکوں۔ اگر آپ مجھے اپنی پسند کے مضامین رکھنے کی اجازت دے دیں تو میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ ہر کلاس میں گولڈ میڈل لوں گا، ٹاپ کروں گا"۔

انہوں نے فرمایا "بیٹا مجھے آپ کے ذوق کا پتہ ہے مگر

خواہش تھی کہ شریک حیات سیرت اور صورت کے اعتبار سے اچھی ہو

میری خواہش ہے آپ اس کی تکمیل کے لیے ایف ایس سی کر لیں۔ آپ کا ایڈمیشن (ایم بی بی ایس) ہو گیا تو ٹھیک ہے، نہ ہوا تو اللہ کی منشاء"۔ پھر میں نے اباجی کی خواہش کے احترام میں ایف ایس سی کا امتحان دے دیا۔ جب نتیجہ نکلا تو میری فرسٹ ڈویژن تھی جبکہ میری خواہش تھی کہ میرے اچھے نمبر نہ آئیں تا کہ میڈیکل کے داخلے میں پھنس نہ جاؤں۔ جب میرے **616** نمبر آئے تو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اب ایم بی بی ایس بھی کرنا پڑے گا۔ والد صاحب کی خواہش تھی کہ میرا ایم بی بی ایس میں داخلہ ہو جائے۔ داخلے کے لیے نشتر میڈیکل کالج جھنگ میں درخواست بھی دے

دی تھی۔ انٹرویوز ہو گئے تو اللہ کی شان دیکھئے جس آخری لڑکے کو داخلہ ملا، اس کے **617** نمبر تھے اور یوں میں بچ گیا حالانکہ والد صاحب دُعا بھی کیا کرتے تھے کہ طاہر کو میڈیکل میں داخلہ مل جائے۔ اسی دوران ایک اور واقعہ ہوا جس سے اباجی قبلہ کو بڑے اطمینان قلب کے ساتھ اپنا ذہن تبدیل کرنے میں مدد ملی۔ ایک رات خواب میں اباجی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضورؐ ایک گاڑی (کار) میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہے۔ اباجی قبلہ نے خواب میں حضورؐ کی قدم بوسی کی تو آپؐ نے شفقت فرمائی اور انہیں گاڑی میں بٹھا لیا اور پوچھا "فرید الدین یہ آدمی جو ساتھ بیٹھا ہے پہچانو یہ کون ہے؟"

اباجی فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! یہ ڈاکٹر علامہ اقبال ہیں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا "فرید الدین تم پریشان نہ ہو۔ ہم طاہر کو اسی طرح کا بنانا چاہتے ہیں"۔ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی اور خواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے "بیٹا میں تو تمہیں کوئی اور ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا مگر امرالٰہی تمہیں کسی اور میدان کا ڈاکٹر بنانا چاہتا ہے"۔ وہ علامہ اقبال کو جو دکھایا تو اشارہ تھا کہ اس لائن پر ہم طاہر کو چلانا چاہتے ہیں۔ اقبال بھی ڈاکٹر تھے، علامہ تھے اور معالج تھے اُمت کے۔ ہم طاہر کو بھی اسی قسم کا معالج بنائیں گے یعنی علامہ اقبال کی تقلید میں، انکا جو طریقہ ہے اس کی پیروی میں اور اسی لائن پر چلانا چاہتے ہیں۔ معالج تو بنائیں گے مگر ایم بی بی ایس والا نہیں اور چند دنوں بعد جب میڈیکل میں داخلہ نہ ملنے کی اطلاع ملی تو پھر والد صاحب نے فرمایا کہ اب آپ اپنی مرضی کے مضامین رکھ لیں۔ پھر میں نے بی اے کیا، ایم اے اسلامیات کیا، پھر وکالت اور پھر پی ایچ ڈی وغیرہ کی۔

سوال: ڈاکٹر صاحب یہ بتائیں دینی رُجحان کیسے بنا؟

جواب: یہ ایک وراثت تھی۔ اباجی قبلہ نے بچپن میں ہی (ساتویں کلاس میں) مجھے دینی و عربی تعلیم دینا شروع کر دی تھی۔ گھر میں وہ خود مجھے پڑھاتے تھے۔ وہ خود ولی سیرت اور صاحب تقویٰ ہستی تھے۔ ہم نے جب بچپن میں آنکھ کھولی تو انہیں پچھلی رات میں مصلے پر گریہ زاری کرتے دیکھا اور اسی عالم میں ان کی وفات ہوئی تو اس طرح کا ایک نقشہ، ایک نمونہ زندگی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی طرح کی تربیت پہلے گھر سے ملی۔ مجھے بچپن سے زندگی کا ایک نہج مل گیا تھا اور پھر جب **62**ء میں میری علوم دینیہ، درسیہ کی

عورت کی کمائی پر شوہر کا کوئی حق نہیں، بیگم قبلہ قادری صاحب کہہ کر پکارتی ہیں

باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی تو دینی علم کی طرف میری رغبت اور بڑھ گئی۔ **63**ء میں **12** سال کی عمر میں والدین کے ساتھ حج پر گئے تو روضہ رسولؐ پر کچھ ایسی کیفیات نصیب ہوئیں کہ واپس آکر سیکرڈ ہارٹ سکول جہاں میں پڑھتا تھا، چھوڑ کر اسلامیہ ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔ میٹرک کیا، درس نظامی کی، پھر ایف ایس سی کی۔ علوم دینیہ کا ذوق بچپن میں ڈیولپ ہو گیا تھا اور پھر یہ رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا۔

سوال: زمانہ طالب علمی میں کھیل کون سا پسند تھا؟

جواب: سکول اور کالج کے زمانہ میں فٹبال اور والی بال میرے پسندیدہ کھیل تھے۔ اس کے علاوہ بیڈمنٹن بھی کھیل لیتا تھا۔

سوال: کبھی ایسا ہوا کہ کسی کھیل یا مشغلے کے سبب والدین سے ڈانٹ پڑی ہو؟

جواب: نہیں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ سب مثبت کھیل تھے، مثبت مشاغل تھے، کسی نے نہیں روکا۔

سوال: سکول سے لے کر کالج تک کبھی سینما دیکھا؟

جواب: نہیں سینما کا کبھی ذوق نہیں رہا البتہ ایک دو بار سینما دیکھا۔ "طلوع اسلام" اور "حج اکبر" نام کی فلم تھی۔ اس کے علاوہ کبھی کوئی فلم نہیں دیکھی۔

سوال: کبھی دھیان نہیں گیا یا اچھی چیز نہیں سمجھتے؟

جواب: نہیں...... دراصل بچپن سے جو سیرت، کردار اور عمل کے حوالے سے سمت متعین ہو گئی تھی، اللہ کا شکر ہے آج کے دن تک نہیں بدلی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے ان چیزوں سے محفوظ رکھا۔

سوال: موسیقی سے کوئی دلچسپی ہے؟

جواب: موسیقی میں بھی کبھار قوالی یا عارفانہ کلام سُن لیتا ہوں، نصرت فتح علی خان کی عارفانہ قوالیاں پسند ہیں۔ اس کے علاوہ نعتیہ کلام بھی شوق سے سُن لیتا ہوں۔ عام طور پر سننے کا وقت نہیں ہوتا۔ جب کبھی اندرون ملک بذریعہ سڑک دو چار گھنٹے کے سفر کا موقع ملے تو اس دوران قاری عبدالباسط کی تلاوت یا نعتیہ اور عارفانہ کلام سن لیتا ہوں۔

سوال: ماضی میں بعض اولیاء کرام نے قوالی کو دینی تبلیغ کا ذریعہ بنایا، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اب بھی اس سے یہ کام لیا جا سکتا ہے؟

جواب: بالکل کیا جا سکتا ہے۔ اگر مناسب طریقے سے شرعی تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔ اس میں ایک متاثر کُن عنصر ہے۔ عارفانہ، نعتیہ، توحید اور معرفت کے کلام کو جب سوز و گداز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو وہ من کے تاروں کو چھیڑتا ہے جو انسان کو عشق رسول، عشق الٰہی اور نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔

سوال: اپنی مصروفیات کے سبب گھر والوں کے ساتھ انصاف کیسے کرتے ہیں؟

جواب: بے شک مصروفیات زیادہ رہی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر میرے اہل خانہ کا جو حق ہے وہ بھی دین کا حصہ ہے۔ اگر میں ان کو نظر انداز کروں اور انصاف نہ کروں تو ان کے اندر ایک لاشعوری ردّعمل پیدا ہو گا۔ بعد ازاں وہ میرے مشن کی تقلید نہیں کریں گے۔ ہمارے بہت سے اکابرین کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ انہوں نے سارے زمانے کو متاثر کیا مگر اپنے اہل خانہ کو متاثر نہ کر سکے، نتیجتاً ان کی اولاد نے ان کی پیروی نہیں کی۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں دُنیا کے جس ملک میں ہوتا ہوں روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر کوشش کرتا ہوں کہ گھر فون پر بات ضرور کروں تا کہ ان کو ایک تعلق اور میرے متوجہ رہنے کا احساس ضرور رہے۔ اس دوران اگر چھوٹے موٹے معاملات یا مسائل ہوں تو میری اہلیہ مجھ سے فون پر ہی بات کر لیتی ہیں۔ پھر جب میں باہر جاتا ہوں تو اپنی پاکٹ منی (جیب خرچ) سے بچوں کے لیے ضروریات کی چیزیں بھی لے آتا ہوں جو تھوڑا بہت وقت گھر پر دیتا ہوں اس میں محبت، پیار، قربت اور بے تکلفی اتنی

کوالٹی کی رکھتا ہوں کہ اہل خانہ میرے اور اپنے درمیان پردے اور دیواریں حائل نہ رکھیں۔ بے شک میرے پاس گھر کے لیے وقت بہت کم ہوتا ہے مگر جو بھی تھوڑا بہت وقت ہوتا ہے۔ اپنی بساط کے مطابق اس انداز میں بھرپور طریقے سے دیتا ہوں کہ انہیں میری گھر سے دوری کا گلہ یا شکوہ نہ

والد صاحب ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے، میرا رجحان دینی تعلیم کی طرف تھا

رہے، جتنا ایک انسان کے بس میں ہوسکتا ہے اس حد تک انصاف کرتا ہوں۔ بچوں کی تعلیم، ضروریات زندگی اور رہن سہن کے حوالے سے جو بھی فرائض میرے ذمہ ہیں، میں انہیں پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہوں تاکہ اس اعتبار سے ان میں احساس محرومی نہ ہو۔

سوال: شادی کب ہوئی؟

جواب: 1975ء میں ہوئی۔ یہ ارینج میرج تھی۔ میری اہلیہ میری فرسٹ کزن یعنی میرے سگے چچا کی بیٹی ہیں۔

سوال: منہاج القرآن کی سرپرستی یا قیادت چونکہ آپ کے پاس ہے، کیا آپ چاہیں گے کہ یہ قیادت وراثتاً اولاد کے پاس جائے یا آپ کے طلبا اسے سنبھالیں؟

جواب: میں قیادت وراثتاً اولاد کو منتقل کرنے کے تصور کے ہی خلاف ہوں۔ میرا فرض تو ان کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اگر یہ اس قیادت کو سنبھالنے کے اہل بن جائیں تو یہ حق دار ہیں۔

سوال: عورت کی آزادی کے متعلق کیا خیال ہے؟

جواب: دین اور شریعت میں عورت کے جو حقوق آزادی کے باب میں اس کی عزت نفس کے باب میں، اس کے احترام کے باب میں اور دینی، سماجی، عائلی، سوشل اور کلچرل ذمہ داریوں کی ادائیگی کے باب میں جو حقوق دیئے ہیں ہم اسی کے قائل اور میں اسی کو آزادی سمجھتا ہوں۔ دین کی حد کو جو توڑ کر آگے بڑھتا ہے یہ آزادی نہیں بربادی ہے۔ الحمدللہ، ہماری فیملی میں اسی پر عمل ہوتا ہے۔ عورت کی آزادی کا تصور جو مغرب سے آیا ہے وہ خلاف اسلام ہے۔ وہ آزادی نہیں بربادی ہے۔

اگر حالات تقاضا کریں تو عورت باپردہ حالات میں ملازمت کے لیے جاسکتی ہے، کاروبار یا تجارت کرسکتی ہے یہ اسی کا حق ہے، وہ جو کمائے اس میں سے ایک پیسے پر بھی اس کے شوہر کا حق نہیں ہے۔ وہ اپنی مرضی سے گھر پر خرچ کر دے تو یہ اس کا احسان اور نیکی ہے۔ اگر خرچ نہ کرے تو شوہر کا حق نہیں کہ بطور شوہر اس کی کمائی میں سے حصہ مانگے جبکہ شوہر کی کمائی میں عورت کا حق ہے۔ عورت کو حسن سلوک کے ساتھ عزت نفس دینا شوہر کے فرائض میں سے ہے۔ عورت سوشل لائف میں کہیں جائے یا ملازمت کرے، وکیل بنے یا جج، ایمبیسڈر رہنے، ایم این اے یا سینیٹر، کوئی پابندی نہیں ہے۔ کوئی بھی منصب عورت کے لیے حرام یا ممنوع نہیں ہے۔ اسلام میں صرف یہ پابندی ہے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ اس کے علاوہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ صرف پابندی یہ ہے کہ وہ شرم وحیا اور پردے کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اسے نظرانداز نہ کرے، اس پر کاربند رہے۔ شریعت کا فرض یعنی پردہ عورت کی آزادی یا ترقی کی راہ میں کہیں رکاوٹ نہیں ہے۔ اسے رکاوٹ وہ لوگ سمجھتے ہیں جو مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ وہ فحاشی وعریانی کو آزادی کا نام دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ آزادی نہیں بربادی ہے۔

سوال: کہتے ہیں نیک اور صالح مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی مگر عورت کو کیا ملے گا؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) دلچسپ سوال ہے۔ بات یہ ہے کہ نیک اور صالح عورت کے لیے بھی صالحین کی زوجیت ہوگی۔ اگر عورت اور اس کا شوہر دونوں نیک، متقی اور پرہیزگار ہیں تو یہ زوجیت جنت میں بھی مل جائے گی۔ بالفرض اگر شوہر نیک اور متقی نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں نہ جاسکا تو عورت کو اولیا، صلحا، بڑے بڑے کاملین میں سے، جس کے ساتھ اللہ چاہے جنتی عورت کی رضامندی سے عقد میں دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم) سوال مکمل نہیں؟

میرا نکاح 74ء میں ہوا تھا، رُخصتی 75ء میں ہوئی۔ اس وقت میں گریڈ سترہ میں لیکچرر تھا۔ میری تنخواہ 950 روپے کے لگ بھگ تھی۔ شرعی مہر یہ ہے کہ جس شخص کے جتنے وسائل ہوں انہی کی حدود میں رہ کر مقرر کیا جائے اور عورت

> **شادی کیلئے لڑکی، لڑکے کی پسند کے ساتھ والدین کی رضامندی بھی ہو تو زیادہ بہتر ہے**

جس وقت بھی مہر طلب کرے وہ شخص کسی سے قرضہ لیے بغیر فوراً ادا کردے۔ اسے کہتے ہیں شرعی حق مہر۔ اگر کوئی شخص کروڑ پتی ہے تو وہ کروڑ روپیہ حق مہر رکھ لے۔ آج بھی کسی شخص کے 500 روپے والے وسائل ہیں تو حق مہر 500 روپے ہی ہوگا۔

سوال: تو پھر آپ نے وہ حق مہر ادا کردیا تھا؟

جواب: ادا کردیا تھا، حق مہر کا تصور ہی یہ ہے کہ فوراً ادا کردیا جائے۔

سوال: یہ 32 روپے حق مہر کا تصور کیا ہے؟

جواب: 32 روپے حق مہر کا تصور کوئی نہیں ہے، یہ یونہی رائج ہوگیا۔ میرے خیال میں غالباً یہ ہوگا کہ حدیث پاک میں دس درہم کو اصل مہر قرار دیا گیا ہے کہ دس درہم سے کم مہر آپ نہیں رکھ سکتے۔ کم ازکم حد مقرر ہے مگر زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اس زمانے میں شاید دس درہم 32 روپے کے برابر بنتے ہوں گے، اس لیے 32 روپے یا ساڑھے بتیس روپے حق مہر کی شرح مقرر ہوگئی اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ شاید یہی شرعی حق مہر ہے"۔

سوال: اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ڈاکٹر، انجینئرز، وکیل اور بزنس مین وغیرہ کو ہی آئیڈیل بناتے ہیں مگر کسی عالم دین کو آئیڈیل نہیں بناتے؟

جواب: جو شخص اپنے آپ کو بطور نمونہ اسٹیبلش کرے گا، اپنے کردار، فن یا ہنر کے ذریعے لوگوں کو متاثر کرے گا تو وہ آئیڈیل کہلائے گا۔ اگر ناکام ہوگیا تو اسے کوئی آئیڈیل نہیں بنائے گا۔ اللہ کا شکر ہے اس قسم کا شکوہ مجھے کبھی نہیں رہا۔ آپ کے سامنے ہزاروں لوگ ہماری تحریک یا تنظیم سے وابستہ ہیں۔ اگر آپ فیملی کے حوالے سے بات کررہے ہیں تو اس کا جواب بیگم صاحبہ ہی بہتر دے سکتی ہیں کہ میں آئیڈیل شوہر ہوں یا نہیں، اب مجھے مناسب نہیں لگتا کہ خود کہوں کہ میں آئیڈیل شوہر ہوں۔ میں ہوں یا نہیں یہ وہی بہتر بتا سکتی ہیں۔

سوال: یہ جو لڑکا اور لڑکی والدین کی مرضی کے خلاف شادی کرلیتے ہیں اس کا اسلام میں تصور کیا ہے؟

جواب: بے شک شریعت نے لڑکے اور لڑکی (بالغ) کو پسند کی شادی کا حق دیا ہے اور شادی پسند سے ہی ہونی چاہیے کیونکہ ازدواجی زندگی انہوں نے ہی گزارنی ہے مگر ہمارے ہاں قانونی استحقاق کا تصور ہے۔ دوسرا ثقافتی یا سماجی روایات کا تصور ہے۔ والدین جنہوں نے اولاد کو پالا پوسا اور بڑا کیا ہے، ان کی زندگی سے اُمیدیں لگائی ہیں، جس طرح والدین ان کے اچھے مستقبل کی خواہش کرتے ہیں، اسی طرح وہ اولاد کا اچھا گھر بسانے کی بھی آرزو کرتے ہیں تو

سینما دیکھنے کا شوق بالکل نہیں تھا، کبھی کبھی نعت یا قوالی سن لیتا ہوں

عورت کو حسن سلوک کے ساتھ عزت نفس دینا شوہر کا فرض ہے
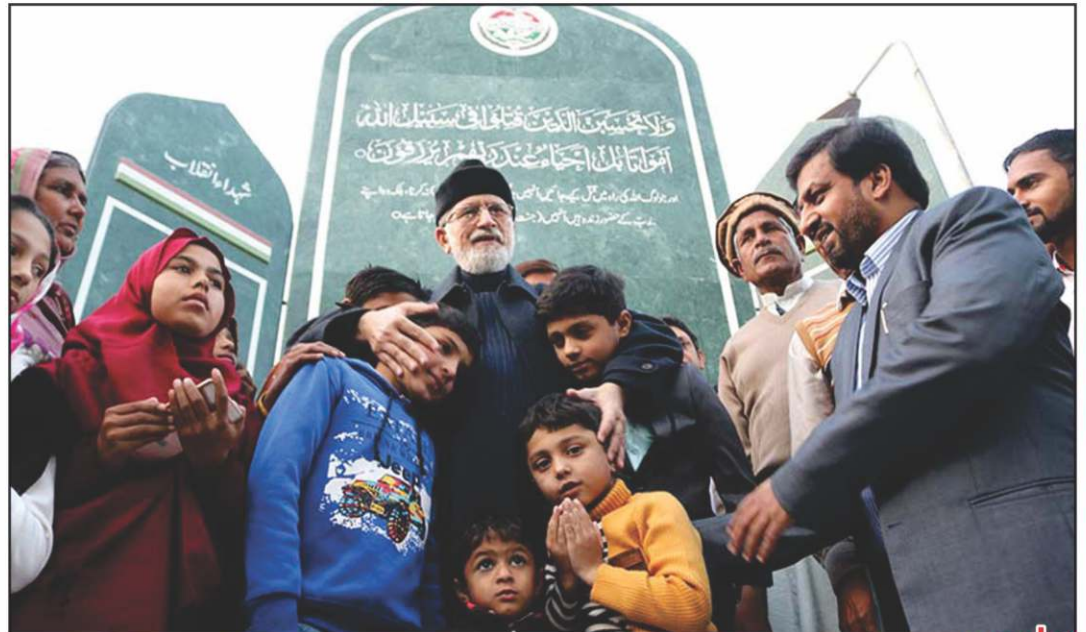
والدین کی مرضی کے خلاف باغیانہ طریقے سے شادی کرنا ایک قسم کی بے حیائی ہے اور بے لحاظی ہے۔ روایات کو توڑ کر اور والدین کا دل دُکھا کر جو بچہ اس قسم کے باغیانہ انداز میں قدم اُٹھائے گا وہ ازدواجی زندگی میں خوشی نہیں پائے گا لہٰذا والدین کی رضامندی کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ والدین کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اپنی پسند کو اصول بنا کر اولاد پر مسلط نہ کریں۔ والدین کی طرف اولاد کی مرضی اور خواہش کے خلاف اپنی پسند کو اولاد پر مسلط کرنا بھی ان کی طرف سے اولا پر ظلم ہے۔ یہ ایک ایسا مسلہ ہے، جس کے لیے فیصلہ کرتے وقت والدین اور اولاد کے درمیان توازن بہت ضروری ہے۔ اس کی مثال میں اپنی نجی زندگی سے دیتا ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا کہ ہماری شادی ارینج شادی تھی۔ میری اہلیہ کی جس وقت پیدائش ہوئی اس وقت ہمارا اور ان کا گھر ایک ہی تھا، بعد میں الگ ہوا۔ 15 شعبان کی صبح نماز فجر کی اذان کے وقت اہلیہ کی پیدائش ہوئی۔ ان کی والدہ نے ساری رات عبادت کی اور صبح چونکہ پہلا بچہ ہونا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی دی۔ اس وقت میں کوئی ڈیڑھ یا دو سال کا تھا۔ جب میری امی کو یہ خبر ملی تو انہوں نے اس وقت میرے والد کے ذریعے ان کی والدہ اور والد کو کہہ دیا کہ یہ ہماری بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ ان کی والدہ اور والد نے جواباً کہا کہ یہ آپ کی بہو پیدا ہوئی ہے یعنی یہ بات اسی دن سے طے ہو گئی تھی مگر جب باضابطہ رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کا وقت آیا تو اس وقت میں پنجاب یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ ابھی ایم اے فائنل ایئر میں تھا یا شاید لا کر رہا تھا تو اس وقت والد صاحب نے مجھے گھر بلوا کر مجھے کہا کہ ''بیٹے آپ کو معلوم ہے میری اور تمہاری والدہ اور ان کے والدین کی بھی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے اور ویسے بھی وہ معاملہ طے شدہ ہے تمہاری شادی کا۔ میری اب خواہش ہے کہ تمہاری منگنی کر دی جائے اور اس کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ طے کر دی جائے، اس لیے آج میں آپ کی باضابطہ رضامندی لینا چاہتا ہوں۔ یہ شریعت نے آپ کو حق دیا ہے تو اب آپ بتائیں کیا رائے ہے؟

میں نے انہیں کہا مجھے آپ پندرہ دن کی مہلت دے دیں، لاہور واپس جا کر استخارہ کر کے آپ کو جواب بھیجوں گا۔ میں نے پھر واپس آ کر تین بار استخارہ کیا۔ اس استخارے کے ذریعے جو جواب آیا یا رہنمائی ملی میں نے بذریعہ خط اور ٹیلی فون دونوں صورتوں میں گھر اطلاع کر دی کہ میری رضامندی ہے۔ پھر والد صاحب نے شادی کی تاریخ مقرر کر دی تو ایسا ہے کہ جب تعلیم اور شعور (دینی وعلمی) موجود ہوں تو والدین اور اولاد کی خوشی یکجا ہو سکتی ہے۔ ٹکراؤ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کسی ایک طرف سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

سوال: اگر استخارے میں جواب اس کے برعکس آتا تو پھر کیا کرتے؟ والدین کی خواہش کو رڈ کر دیتے؟

جواب: استخارے میں جو بھی جواب آتا میں اباجی قبلہ کو من وعن بتا دیتا کیونکہ میں بچہ تھا، نوجوان تھا۔ وہ میرے اُستاد بھی تھے۔ میرے مربی بھی تھے۔ میرے والد بھی تھے اور مجھ سے زیادہ دین کی فہم وشعور اور اقدار کی پاسداری کرنے والے تھے۔ میں ان کو من وعن آگاہ کر دیتا تھا۔

سوال: آپ کے ذہن میں شریک حیات کے حوالے سے کیا تصور تھا کہ وہ کن خصوصیات کی مالک ہو؟

جواب: شریک حیات میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں ان کا تصور میرے ذہن میں یہ تھا کہ میری شریک حیات صاحب سیرت وکردار ہو، دین دار ومتقی ہو، نماز اور روزہ کی پابند ہو، سیرت اور شکل وصورت کے اعتبار سے بھی اچھی ہوتا کہ کوئی کمی بھی نہ رہے۔ تعلیم وسلیقہ کے اعتبار سے اتنی باشعور ہو کہ میرے بچوں کی تربیت اور گھر کا نظام احسن طریقے سے چلا سکے۔ مزاج اور طبیعت کے حوالے سے میرے ساتھ ہم آہنگی ہوتا کہ ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے۔ یہی چار پانچ بنیادی چیزیں تھیں جو الحمدللہ پوری ہوئیں۔ میری اہلیہ میں یہ سبھی خصوصیات ہیں۔ میری اہلیہ میری فرسٹ کزن تھیں۔ اس حوالے سے میں شادی سے پہلے ہی انہیں جانتا تھا۔

سوال: اس دوران کہیں اور سے آفر نہیں ہوئی؟

جواب: الحمدللہ، سکول لائف سے لے کر یونیورسٹی لائف تک اپنی زندگی کو ایک ایسے نظم اور ڈسپلن میں رکھا کہ اس قسم کی آفر کی کبھی نوبت نہیں آنے دی یعنی کبھی ایسا ماحول ہی پیدا نہیں کیا کہ کوئی مجھے اس قسم کی آفر کرے۔ یونیورسٹی کے زمانے میں طالبات ہمارے ساتھ پڑھتی تھیں لیکن میں نے کبھی طالبات کے ساتھ گفتگو یا میل ملاپ نہیں رکھا۔ میں نے اپنی زندگی میں شرم وحیا کے عنصر کو نمایاں رکھا ہے۔

سوال: ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ پر جو ہوتا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: یہ سب بے حیائی فحاشی اور طوفان بدتمیزی ہے۔ پیسے کا ضیاع ہے۔ ایک تیل مہندی کے خرچے سے درجنوں بچیوں کی شادی ہو سکتی ہے جن کے پاس سرمایہ ہے وہ تیل مہندی کا شوق پورا کر کے معاشرے پر ظلم کرتے ہیں اور اقدار بھی پامال کرتے ہیں۔ آج تیل مہندی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی بھی اعتبار سے شریفانہ عمل نہیں ہے قابلِ مذمت عمل ہے۔ ہمارے پورے خاندان میں کبھی تیل مہندی کی رسم نہیں ہوئی۔

سوال: کیا آپ ایسی شادیوں میں بھی شرکت نہیں کرتے؟

جواب: شادیوں میں ہم صرف دو تقریبات پر جاتے ہیں یعنی تقریب نکاح یا تقریب بارات اور تقریب ولیمہ پر۔ تیل مہندی کی تقریبات میں، میں بھی شرکت نہیں کرتا اور میرے اہل خانہ بھی شرکت نہیں کرتے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی شخصیت میں کوئی کمی ہے؟

جواب: دیکھئے انبیاء اور رسل عظام کے سوا کوئی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا انسان بھی خامی سے پاک نہیں ہوتا۔ میں ہر طرح سے اللہ کا شکر بجا لاتا ہوں۔ اس کا احسان ہے اس کا بڑا انعام ہے۔ ہم محتاج ہیں اس کی رحمت کے، بچپن سے لے کر جوانی کی عمر تک (زمانہ طالب علمی تک) میرے اندر خاصا غصہ تھا۔ یہ اللہ ربّ العزت کی رحمت ہوئی کہ جوں جوں عمر بڑھتی گئی زندگی کا لائحہ عمل بھی کھلتا اور آشکار ہوتا گیا اور میں اس کے لیے تیار ہوتا چلا گیا۔ جوں جوں میں علمی، فکری اور عملی مراحل سے گزرتا گیا توں توں اللہ پاک کی خاص رحمت سے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہات اور فیوضات سے طبیعت میں غصہ خود بخود کم ہوتا چلا گیا۔ اب بڑے عرصے سے طبیعت میں کافی بہتری آئی ہے۔

سوال: خوشبویات، کھانے پینے اور ملبوسات میں کیا پسند ہے؟

جواب: دو تین خوشبوئیں پسند ہیں۔ یاسمین، گلاب، موتیا یا چنبیلی کا عطر لگا لیتا ہوں۔ اچھی قسم کے عطر باہر سے بھی مل جاتے ہیں اور یہاں سے بھی۔ کپڑوں میں میری کوئی پسند نہیں ہے، ترجیحاً عربی لباس کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ گھر کے اندر اور نجی محافل میں عام طور پر عربی لباس پہنتا ہوں۔ سماجی، سیاسی و دینی اجتماعات میں شلوار قمیض پہن لیتا ہوں، کوئی خاص قسم کا کپڑا پسند نہیں ہے۔ شلوار قمیض کے لیے گرمیوں میں سفید یا آف وائٹ کو ترجیح دیتا ہوں۔ سردیوں میں ذرا گہرے رنگ کے کپڑے پہن لیتا ہوں۔ تسمے والا بوٹ اس لیے نہیں پہنتا کہ بوٹ پہننے اور اُتارنے میں آسانی رہے۔ ہمیشہ کالے رنگ کے شوز پہنتا ہوں۔ کھانے پینے میں کوئی خاص چیز پسند نہیں جو مل جائے کھا لیتا ہوں۔ کبھی کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔ بچپن میں گُڑ والے چاول بہت پسند تھے۔ کھانے میں مرغن غذائیں زیادہ پسند نہیں ہیں، گوشت زیادہ پسند نہیں کرتا۔ سبزی اور دال کو ترجیح دیتا ہوں۔ مٹھائیاں زیادہ پسند نہیں کرتا۔ جلیبی، لڈو اور برفی بچپن میں پسند تھے۔ صبح ناشتے میں کبھی بچے مجبور کریں تو سلائس میں انڈہ لگا لیتا ہوں ورنہ ایک سوکھا سلائس چائے کے ایک کپ کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔ بس اسی کو پسند کرتا ہوں ناشتے میں اور کبھی یہ سلائس بھی نہیں کھاتا صرف ایک کپ چائے پی لیتا ہوں۔

سوال: دن میں کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں؟

جواب: پہلے میرے کام کرنے کے اوقات اٹھارہ گھنٹے تک رہے ہیں۔ میرا خیال ہے مجموعی طور پر اب بھی سولہ گھنٹے کام کرتا ہوں۔ اب بھی مصروفیات کے سبب رات 12 بجے سے پہلے مطالعے کا وقت نہیں ملتا۔ میری طبیعت میں فارغ بیٹھنا نہیں ہے۔

سوال: آپ کو عشقیہ شاعری سے دلچسپی ہے؟

جواب: میں آپ کو شعرا کے نام بتا دیتا ہوں، اس سے آپ خود اندازہ کر لیں۔ شعرا میں مجھے میر تقی میرؔ، میر دردؔ، غالبؔ اور علامہ اقبالؒ پسند تھے۔ فارسی میں شیخ سعدیؒ شیرازی، شیخ امجد خانؒ زندہ بیل، خواجہ معین الدی چشتی اجمیریؒ، حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ، عمر خیامؒ وغیرہ۔ اسی طرح عرب شعرا میں حضرت حسان بن ثابتؓ، اور امام بوسیریؒ بھی پسند تھے۔ ان شعرا کی شاعری میں عشق الٰہی کا عنصر نمایاں تھا، بہرصورت عشق کے بغیر شاعری نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ شاعری، شاعری ہی نہیں ہے جس میں عشق اور سوز نہیں ہے۔ یہ پڑھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس مشق کو عشق الٰہی کی طرف لے جاتا ہے یا کسی دوسرے عشق کی طرف۔ بہرحال جن شعرا کا میں نے ذکر کیا زمانہ طالب علمی میں مجھے ان شعرا کی شاعری پسند تھی۔

معروف بزنس مین

سبطین عبداللہ پیروانی

رات ڈھل رہی تھی، دوڈھائی بجے کا وقت تھا۔سفرعمان کے دوران برکا سے مسقط واپسی پر ایم بی ڈی ایریا کے پٹرول پمپ کے ساتھ بنے کڑک چائے کے اوپن ایئر ریسٹورنٹ پر ستانے کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔ساتھ ساتھ گرم چائے کی چسکی سے دل بہلا رہا تھا۔ریسٹورنٹ پر اکا دکا گاہک آ جا رہے تھے۔کوئی رش والا ماحول نہیں تھا۔چائے کا کپ ختم ہوا تو بیٹھے بیٹھے سکون لینے کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔میں دراصل اذان کا انتظار بھی کر رہا تھا،تا کہ نماز پڑھ کے سویا جائے۔اتنے میں چار پانچ نو جوانوں کی ایک ٹولی میرے دائیں والے بینچ سے اگلے بینچ پر آ کر بیٹھ گئی۔اپنی آپس کی گفتگو کے ساتھ میرے ستانے کے عمل پر تبصرہ بھی کر رہے تھے۔ان کی نظر مجھ پر تھی تو میرے کان ان کی طرف متوجہ تھے۔’’ایک آواز آئی یار یہ بھی کوئی سونے کی جگہ ہے‘‘دوسری آواز آئی’’کوئی پریشان لگتا ہے۔پتہ نہیں انڈین ہے یا پاکستانی؟‘‘پھر پہلی آواز آئی’’جانے دو جو کوئی بھی،اسے اس کے حال پر چھوڑ دو،اپنی باتیں کرتے ہیں‘‘چنانچہ وہ اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ان کی باتوں کا محور ان کی فنکارانہ سرگرمیاں تھیں۔جو اپنی ماڈلنگ پرفارمنس کے حوالے سے گفتگو کر رہے تھے۔میں نے سوچا اپنے میگزین میں کبھی عمان کی فنکارانہ سرگرمیوں کی کوریج نہیں کی۔یہ بچے تو کام کے ہیں۔ان کے ذریعے اس قسم کا مواد مل سکتا ہے۔اب میرے کان ہی نہیں،میری نظر بھی ان کی طرف تھی۔ایک نوجوان نے میری طرف دیکھا،نظر ملی تو میں نے انگلی کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔میں نے اپنا تعارفی کارڈ نوجوان کو دیا اور میگزین کے بارے میں بتایا۔اس نے کہا میں اپنے گروپ لیڈر کو بلاتا ہوں،اس حوالے سے وہی آب سے بات کر سکتے ہیں۔اس کے متوجہ کرنے پر سبھی لڑکے میرے پاس آ گئے۔ان کے گروب لیڈر نے میری بات سننے کے بعد اپنا تعارف کرایا تو معلوم ہوا،وہ نوجوان نہ صرف پاکسانی ہے بلکہ ایک بڑا بزنس مین بھی ہے۔ساتھ ساتھ ڈریس ڈیزائننگ،ماڈلنگ اور دیگر فنکارانہ سرگرمیوں کو بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔اس نوجوان کا نام سبطین عبداللہ پیروانی ہے۔اس نے محبت اور خلوص کا اظہار کرتے ہوئے،اگلے روز اپنے دفتر میں تفصیلی ملاقات کی دعوت دے دی۔چنانچہ اگلے روز عبداللہ پیروانی سے ان کے دفتر میں ہونے والی گفتگو تفصیلی ملاقات میں بدل گئی۔ذیل میں ہم اس ملاقات کے دوران ہونے والی متاثر کن گفتگو کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

میرے آباؤ اجداد کا تعلق کراچی سے ہے اور وہ سندھی ہیں۔میرے والد صاحب بینکرز تھے۔انہیں عمان میں رہتے ہوئے چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔اب تو انہوں نے عمانی چولا بھی پہن لیا ہے۔ ہم عمان سے محبت کرتے ہیں مگر دل پاکستانی ہے۔اس لیے کہ عمان نے ہمیں بہت خوشیاں اور خوشحالی دی اور دے رہا ہے۔خاص طور پر سلطان معظم کی خدمات پاکستانی ثقافت اور پاکستانی عوام کی سرپرستی کے حوالے سے بہت زیادہ ہیں۔پاکستانی عوام کے لئے ان کی یہ شفقت اور محبت ہے کہ پاکستانی عوام یہاں پر امن چین اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سوال: تعلیمی سفر کیسے طے ہوا؟

جواب: میں نے پاکستان سکول سے میٹرک کیا اور پھر کراچی سے گریجویشن کی، پھر کاروبار کی طرف آ گیا۔ اللہ کا شکر ہے، بطور بزنس مین کامیابیاں حاصل کیں اور جو چاہتا تھا وہ سب کچھ کیا۔ کچھ چیزیں بائی برتھ ملتی ہیں، کچھ چیزیں گاڈ گفٹڈ ہوتی ہیں۔ میری فیملی کے بیشتر افراد بینکرز رہے ہیں۔ میں پہلا شخص ہوں جو بزنس کی طرف آیا۔ میں ذاتی طور پر ڈاکٹر بننا چاہتا تھا مگر میڈیکل کے لیے جو تعلیم چاہیے تھی وہ حاصل نہ کر سکا اس لیے بزنس کی طرف چلا آیا اللہ کا شکر ہے، بزنس مین کے طور پر جو کامیابی حاصل کی شائد میڈیکل میں وہ حاصل نہ کر پاتا۔

سوال: زندگی کا خواب کیا تھا؟

جواب: اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا اور اپنے آپ کو منوانا چاہتا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے بزنس کی طرف چلا آیا اور اپنے آپ کو منوایا۔

سوال: بزنس کا آغاز کیسے ہوا؟

جواب: جب میں کراچی میں بی کام پارٹ ون میں پڑھ رہا تھا تو کسی دوست نے مشورہ دیا کہ بزنس بھی شروع کر

بہت متاثر ہوئے۔ تولیے، بیڈ شیٹس، تکیے وغیرہ منگوانے شروع کیے۔ پاکستانی مصنوعات پہلے بھی یہاں آتی تھیں مگر ڈسپلے اور خوب صورتی کا انداز ہمارے جیسا نہیں تھا۔ ہمیں ایک اور فائدہ بھی ہوا کہ اس وقت ہائپر سٹار مارکیٹ کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا۔ لولو، مارس اور سلطان سینٹر جیسے بڑے سٹورز بننے لگے تھے۔ ہم نے فوراً اپنا مال ان مارکیٹس میں پہنچایا۔ لوگ ہم سے پوچھتے کیا، آپ پاکستانی ہیں؟ تو ہم کہتے تھے الحمدللہ ہم پاکستانی ہیں۔ ہم نے 7 سال تک انٹرنیشنل مارکیٹ کے متوازی کام کیا اور اپنے آپ کو منوایا۔ ہم کہتے تھے آپ ہمارا مال رکھیں، نہ بکے تو واپس کر دیں۔ یہ وہ اعتماد تھا، جس نے ہماری کامیابی کی بنیاد رکھی۔ پھر یہ ہوا کہ ہمارا کاروبار بڑھتا گیا۔ نئے وسائل بنتے گئے اور پھر ہمیں پہلی مرتبہ کسی فوڈ آئیٹم کو مارکیٹ کرنے کی آفر ہوئی۔ وہ فوڈ آئیٹم لذیذہ تھی، خود کھانے پینے کا شوقین ہوں مگر فوڈ آئیٹم کی مارکیٹ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ لذیذہ سپائسز کے مالک آغا اشرف بہت ہی نفیس انسان ہیں۔ وہ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے لذیذہ کی مارکیٹ کی پیشکش کی۔ اس سے پہلے ہندوستانی

دل پاکستان ہے تو جان عمان ہے

میرے ایک ہاتھ میں پاکستان اور دوسرے میں عمان کا پرچم ہے

لو۔ میں نے کہا کہ میرے خاندان میں سے کسی نے کبھی بزنس نہیں کیا ہے۔ مجھے تعلیم حاصل کر کے بینک کی طرف جانا ہے۔ دوستوں نے کہا ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہو، تعلیم کے ساتھ ساتھ سیکھنے میں کیا ہرج ہے، آخر تعلیم کے بعد بھی تو کچھ کرنا ہے۔ بزنس کا تجربہ کام آئے گا۔ والد صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا اگر فارغ ہو تو کر لو مگر پہلی ترجیح تعلیم ہی ہونی چاہیے۔ پھر ان کی اجازت سے کاروبار کی ابتدا کی۔ الحمدو للہ ہمارے کاروبار کی ابتدا ہی پاکستانی پروڈکٹ سے ہوئی۔ ہماری کمپنی کا نام تھا الجمد فلاور ٹریڈنگ کمپنی۔ مجد کا عربی میں مطلب ہوتا ہے کامیابی، فلاور کا مطلب پھول یعنی کامیابی کا پھول ہم نے یہ سوچ کر سفر شروع کیا تھا کہ اپنے آپ کو منوائیں گے۔ اللہ کا شکر ہے، ہم نے اپنے آپ کو منوایا۔ ہمارے کاروبار کی ابتداء ۱۹۹۷ میں ہوئی۔ ہم نے کاروبار کی ابتدا ٹیکسٹائل سے کی۔ ٹیکسٹائل میٹیریل پہلے یو اے ای سے امپورٹ ہوتا تھا۔ ہم نے یہاں پر پاکستانی اسٹائل کا سلسلہ شروع کیا ہے اس سے پہلے یہاں پر جاپان کا مال آتا تھا۔ جب پاکستانی مال آنا شروع ہوا تو اسے بے حد پذیرائی ملی۔ کوالٹی اور مناسب قیمت کے حوالے سے لوگ

پاکستان نے جنم دیا تو عمان نے پروان چڑھایا

فیشن شو میں پاکستان کی ثقافت پیش کی

مصالحہ جات عام آتے تھے۔ لذیذہ کو یہاں پر کوئی نہیں جانتا تھا ہم نے اپنی محنت سے اس ڈیڈ آئٹم کو زندہ کیا اور مارکیٹ میں کامیابی حاصل کی۔ ہماری اس کامیابی کو دیکھتے ہوئے۔ شان کے مصالحہ جات مارکیٹ کرنے کی آفر بھی ہوئی۔ شان کے مینیجر مسٹر جمیل ہم سے ملے اور ہم نے اسکو بھی مارکیٹ کیا اور کامیابی سے ہمکنار کیا گو کہ اب شان پروڈکٹس ہمارے پاس نہیں ہیں لیکن مارکیٹ میں اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ یہ وہی بے بی ہے جسے ہم نے ہی اپنے ہاتھوں سے پالا پوسا تھا۔ قصہ مختصر ہماری کامیابیوں کا سفر آگے بڑھتا گیا۔ اس دوران اس سفر میں روح افزا بھی شامل ہو گیا۔ ہمدرد وقف اس کمپنی کی جتنی تعریف کی کم ہے، انہوں نے ہماری مکمل سرپرستی کی۔ شفقت اور محبت کے ساتھ کہا تھا جب تک تم خود انکار نہیں کرو گے ہم روح افزا تم سے واپس نہیں لیں گے۔ الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے کہ گزشتہ پندرہ سال سے ہم اس کی مارکیٹ کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت میرے بزنس اور میرے سر کا تاج روح افزا ہے۔ روح افزا سے میں نے وہی محبت کی ہے، جو محبوب سے کی جاتی ہے۔ اسی محبت کے جذبے کے تحت ہم نے اپنے آپ کو منوایا۔ ابتدا میں جب یہ مشروب ہم مارکیٹ میں لے کر

گئے تو ہم سے کہا گیا ہے سوری آپ رمضان میں آئیں، یہ مشروب رمضان کا ہے۔ہم نے کہا کیوں صرف رمضان کا ہے یہ سارے سال کا ہے۔ہم نے مارکیٹ کی حکمت عملی تبدیل کر کے لوگوں کے ذہن اور سوچ کو تبدیل کیا . میرا تعلق کچھ شوبز سے بھی رہا ہے ذہنی طور پر فنکارانہ مزاج ہے مجھے رنگ اچھے لگتے ہیں اور رنگوں سے کھیلنا اچھا لگتا ہے. یہاں میں مختلف کمرشلز کے حوالے سے کام کر رہا تھا .جب مجھے روح افزا کی مارکیٹ اس سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے ہمدرد کمپنی سے تھوڑا وقت مانگا اور پاکستان سے عمان آکر پہلے روح افزا کے ساتھ اپنے بچوں کی تصاویر بنائیں، پھران تصاویر کو اشتہارات کی شکل دی اور دکھایا کہ روح افزا کو عمانی بچے بھی پسند کرتے ہیں۔پروموشن کا یہ انداز کلک ہوا اور ہمیں کامیابی ملی۔ صرف ہماری پاکستانی کمیونٹی ہی نہیں، عمانی کمیونٹی میں بھی روح افزا مقبول تر ہوتا چلا گیا۔پاکستان سوشل کلب کے مختلف تقریبات میں لے کر گئے اور لوگوں کو بتایا یہ صرف رمضان کا مشروب نہیں ہے اسے آپ پورا سال مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں۔آپ اس کی آئس کریم پر ٹاپنگ کر سکتے ہیں، کسٹرڈ میں ڈال سکتے ہیں۔ملک شیک

میں اپنے آپ کو منوانا چاہتا تھا اور اللہ کا شکر ہے اس میں کامیاب رہا

روح افزا میرے کاروبار اور میرے سر کا تاج ہے

کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔دودھ میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے ہم نے بے مثال کامیابی حاصل کی۔اس کے بعد ہم نے احمد فوڈز کی مارکیٹنگ کی۔میری بیٹی کا نام زمزم یہ ایک تعداد نام ہے۔اس کے بعد ہم ڈیئر اسٹیشنری کی مارکیٹنگ کی، جو کہ پاکستان کا معروف برانڈ ہے۔اسے مارکیٹ میں لے کر آئے۔الحمداللہ قلیل عرصے میں یہ پروڈکٹ نمایاں طور پر یہاں نظر آرہی ہے۔میں یہ عرض کروں گا کہ پاکستانی پروڈکٹس میں بہت پوٹینشل ہے۔اسے بین الاقوامی مارکیٹ میں ہر سطح پر اور ہر جگہ لے جانے کی ضرورت ہے ۔یہ ضروری نہیں ہے کے وہ پراڈکٹ میری کمپنی کی ہو، چاہے کسی بھی کمپنی کی ہو مجھے مارکیٹ میں پاکستانی پراڈکٹس دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے۔ پاکستانی چاول ہیں، ریشم ہے، پھل اور سبزیاں ہیں خاص طور پر آم ہے، دنیا بھر میں پاکستان جیسا عام نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کے اسے اچھے انداز میں مارکیٹ کیا جائے۔ہم شوبز سے متعلقہ لوگ بھی ہیں اور جانتے ہیں کہ جو چیز اپنی خوبصورتی کے ساتھ دکھائی دے گی وہ لوگوں کی نظروں کو اچھی لگے گی اور لوگ اسے وہ خریدیں گے اور وہ جلد ہی اپنی جگہ بنا لے گی ۔ہم یہاں پر ہونے والے فوڈ فیسٹیولز، فیشن فیسٹیولز اور پاکستان کے کلچرل شوز میں شرکت کرتے ہیں ۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان ایمبیسی نے ہمیں ایک کلچرل شو کرنے کا کہا۔ہم نے بڑی محنت کے ساتھ وہ کلچر اور فیشن شو کیا۔اس میں ہم نے دکھایا کہ ہمارا پنجابی، سندھی، ، پشتو اور بلوچی ملبوسات کیا ہیں اور ہمارے پاکستانیوں کا رہن سہن کیا ہے ہمیں اس میں بہت کامیابی ملی ۔ بلکہ اس شو کی بنیاد پر ہم نے اپنے زمزم بوتیک جو کہ ملبوسات کا ادارہ ہے اسے پرموٹ کیا اور پاکستانی ملبوسات اور فیشن کے حوالے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔اسی کی بنا پر ہمارے ملبوسات کے شورومز کھل گئے، ان شورومز پر ہم پاکستان کے لون وائل اور کاٹن سمیت ہر طرح کے

”مارکیٹ میں پاکستانی مصنوعات دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے میرا مزاج فنکارانہ ہے اور رنگوں سے کھیلنا اچھا لگتا ہے“

ملبوسات ڈسپلے کرتے ہیں۔جنہیں بہت زیادہ پزیرائی ملتی ہے، لوگ پسند کرتے ہیں اس کے ساتھ ہم سوشل میڈیا کو بھی اپنے پروڈکٹس کو پرموٹ کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، جسے دیکھ کر لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ کے شورومز کہاں پر ہیں اور اس طرح سے وہ ہمارے شوروم تک پہنچتے ہیں۔میرا ارادہ ہے کہ ہم بوتیک اور ملبوسات کے حوالے سے نزوہ، صحار اور صلالہ میں بھی شوروم کھولیں گے ، جو فیشن شو ہم نے کیا۔اس میں، میں نے بطور فیشن ڈیزائنر شرکت کی تھی۔ یہاں میں میڈم عذرا علیم صاحبہ کا نام لوں گا، جنہوں نے میرے ساتھ مل کر اس چیلنج کو قبول کیا ، اور کامیابی کے ساتھ کر کے بھی دکھایا۔

سوال: جب فیشن کا ذکر آتا ہے تو خواتین کا نام ہی لیا جاتا ہے؟

جواب: آپ نے بہت اچھی بات کر دی, فیشن شو جو میں نے اور عذرا علیم صاحبہ کرایا، اس فیشن شو کے ملبوسات میں دوپٹہ تھا، عبایا تھا، ایوننگ ڈریسز تھے، پارٹی ڈریسز تھے ، سمر ڈریسز تھے۔ , ہم ایک تھیم لے کر چلے تھے۔ جب اس شو کی تیاری کر رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا یہ کیا اس شو میں صرف لڑکیاں ہی ہوں گی، لڑکے نہیں ہوں گے؟ مجھے یہ تجویز اچھی لگی میں نے میڈم عذرا سے مشورہ کیا اور پھر فیس بک پر ہم نے اشتہار دیا کہ ہمیں اس فیشن شو کے لیے لڑکے بھی درکار ہیں، چند ہی روز میں ہمیں اچھی پرسنیلٹی کے لڑکے مل گئے پھر مسلہ تھا کہ لڑکوں کے لئے ملبوسات کہاں سے آئیں گے اور پھر میں نے اپنا وارڈروب کھول دیا کیونکہ مجھے اچھے سے اچھے کپڑے پہننے کا شوق ہے اور اپنے کپڑے میں خود ڈیزائن کرتا ہوں میرے وارڈروب میں اتنے اچھے ملبوسات مل گئے کہ لڑکوں نے وہی پہن کر ریمپ پر واک کی۔ . لڑکوں کی واک ایک پاکستانی گانے کے ساتھ تھی جسے بہت سراہا گیا۔جب شلوار، قمیض اور شیروانی میں لڑکے ریمپ پر آئے تو لوگ حیران رہ گئے۔یہ تو وہی لباس تھا، جو پاکستان میں پہنا جاتا ہے، ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ . لڑکوں کو خاصا جرک پہنائی گئی ، مقلر کا استعمال کیا گیا ایک گانے کے دوران ہم نے کتنے سارے لڑکوں کے فیشن دکھائے۔تمام لڑکوں کا میک اپ سے لے کر ہیر ڈریسنگ تک سب کچھ میں نے اپنے ہاتھوں سے کیا۔میں خاص طور پر اپنی اہلیہ فاطمہ کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے ہمارا ابھرپور ساتھ دیا۔آخر میں فیشن ڈیزائنر اور زمزم بوتیگ کے اونر کی حیثیت سے میں سٹیج آیا تو میری آنکھوں کے سامنے دو پرچم آ گئے ایک پاکستان کا اور دوسرا عمان کا۔اس وقت اتنی داد مل رہی تھی کہ میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔اس کے لیے میں پاکستان ایمبیسی اور سفیر پاکستان کا آج بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی تجویز اور تعاون کے نتیجے میں ہم ایک اچھا پروگرام پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔اس شو کی بنیاد سے عمان میں زمزم فیشن وجود میں آیا۔زم زم میری بیٹی کا نام ہے۔ .مجھے ذاتی طور پر مردانہ لباس میں ٹریڈیشنل ڈریسز زیادہ پسند ہیں۔ .ان میں ایک تو سادگی ہوتی ہے۔دوسرا جو خوبصورتی اور حسن سادگی میں نظر آتا ہے وہ مصنوعی ڈیزائن شدہ ملبوسات میں نہیں ہوتا۔ٹریڈیشنل ڈریسز پر کام کرن تھوڑا مشکل بھی ہے۔ مجھے آرٹسٹک اور مشکل کام زیادہ پسند ہے ۔میں یہاں اچھی اچھی کمپنیوں کے ساتھ کمرشلز بھی کر چکا ہوں۔ماڈلنگ میں ریمپ پر آپ کے ملبوسات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی اصل چیز آپ کا فیس فیچر ہوتا ہے۔اس دوران آپ کے جسم کا سر سے پاؤں تک ہر حصہ پرفارم کر رہا ہوتا ہے۔پھر میں نے نورس کے لیے ماڈلنگ کی تو مجھے

دبئ سے اور مختلف جگہوں سے ماڈلنگ کے لئے کالز آنا شروع ہو گئیں مگر میری کاروباری اور اور دینی مصروفیات ایسی تھی اس سلسلے کو آگے نہیں بڑھا سکتا تھا فیشن تو میرا پیشن ہے مگر اداکاری اور ماڈلنگ پیشن نہیں تھا۔اسی دوران ٹی وی کے حوالے سے بھی کام کیا۔یہ باقاعدہ ایک ڈرامہ تھا میرا عذرا علیم کا مرکزی کردار تھا۔اس ڈرامے میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ عمان کے تاریخی مقامات اور تہذیب و ثقافت کو پیش کیا گیا تھا۔آصف اس ڈرامے کا خوب صورت اسکرپٹ سید سخاوت بخاری نے لکھا تھا۔ ریکارڈنگ عمان کے مختلف مقامات پر کی گئی۔جس میں مسقط کے علاوہ نزوہ اور دوسرے علاقے شامل تھے میرا اور عذرا علیم صاحبہ کا ایسا کردار تھا جس میں دونوں کی نوک جھونک چلتی ہے۔ ااس ڈرامے میں میری بیوی کا کردار پاکستان سکول مسقط کی ٹیچر شمائلہ نے ادا کیا تھا۔اس میں بخاری صاحب کا بھی بڑا اہم کردار تھا گائیڈ اور ڈرائیور بنے تھے۔ ااس پروجیکٹ کے درمیان کئی مسائل بھی آئے بعض حلقوں کی طرف سے جیلیسی کا اظہار کیا گیا لیکن ہم نے بغیر کوئی تاثر لیے اور بغیر کوئی تاثر دیئے اپنا کام جاری رکھا۔حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کے دوسروں کی طرف سے کچھ بھی ہو آپ کا اپنا رویہ مثبت رہنا چاہیے ۔آپکے رویئے میں خلوص اور محبت ملنی چاہیے۔ میں ہمیشہ اسی اصول پر عمل پیرا رہا ہوں۔ پاکسان نے ہمیں جنم دیا ہے، وہاں کی مٹی سے ہمارا خمیر اٹھا ہے اور عمان نے ہمیں سر بلندی عطا کی ہے۔اس لئے پاکستان دل ہے تو عمان جان ہے۔ میرے ایک ہاتھ میں پاکستان کا پرچم ہے تو دوسرے ہاتھ میں عمان کا پرچم ہے۔ ہمیں دونوں پرچم تھام کر آگے بڑھنا ہے۔

"مجھے بینک کی طرف جانا تھا اور کاروبار کی طرف آ گیا ہمارے اعتماد نے کاروباری کامیابی کی بنیاد رکھی"

خاکروبوں کی ملکئہ حسن

اس کی خوبصورتی دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ وہ خاکروب ہے

ویسے تو دنیا کے متعدد ممالک میں مقابلہ حسن بھی ہوتا اور ایسے ممالک میں اسلامی ملک مراکش بھی شامل ہے۔

تاہم مراکش کی کچرہ چننے والی ایک نجی کمپنی اوزون ہر سال اپنی خاکروب خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے مقابلہ حسن بھی منعقد کرتی ہے۔

اوزون انوائرومینٹ اینڈ سروسز کی جانب سے منعقد کیے جانے والے اس منفرد مقابلے کا مقصد اپنی خواتین خاکروب کی حوصلہ افزائی اور ان کی خدمات کی عوض انہیں خراج تحسین پیش کرنا ہے۔

رواں برس ہونے والے مقابلہ حسن میں مراکش کے دارالحکومت رباط کی سڑکوں اور گلیوں کو صاف کرنے والی 25 سالہ سنامعطاط نے جیت لیا۔

اگرچہ یہ مقابلہ رواں ماہ 7 مارچ کو عالمی یوم خواتین سے ایک دن قبل منعقد ہوا، تاہم سنامعطاط کی تصاویر عرب سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد عالمی میڈیا کی توجہ کا مرکز بنیں۔

سنا معطاط کی وائرل ہونے والی تصاویر میں انہیں خاکروب کے یونیفارم میں دیکھا جاسکتا ہے۔

گلیوں اور سڑکوں کو صاف کرنے والی سنا معطاط کی خوبصورتی دیکھنے کے بعد کسی کو یقین نہیں آیا کہ وہ خاکروب ہے۔

عرب نشریاتی ادارے الیوم 24 کے مطابق خاکروب کی ملکہ حسن کا اعزاز جیتنے والی سنامعطاط 2 بچوں کی والدہ ہیں اورانہوں نے یہ پیشہ کچھ سال قبل اپنے شوہر کے بے روزگار ہونے کے بعد اپنایا۔

سنامعطاط خوبصورت اور جوان ہونے کے باوجود رباط کی سڑکوں اور گلیوں کو صاف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتیں، بلکہ وہ اسے اپنا فخر سمجھتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ وہ گلیاں صاف کر کے نہ صرف اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں پوری کر رہی ہیں، بلکہ اس عمل سے جہاں ان کے اہل خانہ کی مالی ضروریات پوری ہو رہی ہیں، وہیں وہ اپنے ملک کی خدمت بھی کر رہی ہیں۔

سنامعطاط کو خاکروب کی نوکری دینے والی کمپنی کے مطابق انہیں نہ صرف خوبصورتی بلکہ ان کے بہترین کام کی وجہ سے بھی اس اعزاز سے نوازا گیا۔

کمپنی کے مطابق خاکروبوں کی ملکہ حسن کا اعزاز اس لڑکی کو دیا جاتا ہے، جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں بھی ماہر ہو۔

ملکہ حسن کا اعزاز جیتنے کے بعد بھی سنامعطاط کی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ اب بھی اپنا کام محنت اور ایمانداری سے سرانجام دے رہی ہیں۔

ملکہ حسن بننے کے بعد کئی مقامی لوگ سڑکوں اور گلیوں کو صاف کرنے والی لڑکی کے ساتھ سیلفی کھینچ کر سوشل میڈیا پر شیئر کر رہے ہیں۔

سنا معطاط جہاں سڑکوں اور گلیوں کو صاف کرنے کا محنت طلب کام کرتی ہیں، وہیں وہ اپنے اہل خانہ کا خیال رکھنے سمیت امور گھرداری بھی احسن طریقے سے سرانجام دیتی ہیں۔

پاکستان سوشل کلب کے انتخابات

میاں محمد منیر پینل کی کامیابی

ہماری کامیابی، ہماری خدمات کا اعتراف اور ہم پر اعتماد کا اظہار ہے

میاں محمد منیر

شبیر احمد ندیم

محمد زعیم اختر

چودھری اصغر علی

پاکستان سوشل کلب عمان میں پاکستانیوں کی مرکزی تنظیم ہے، جو عمان میں تقریباً ہر سطح پر پاکستانیوں کی نمائندگی کرتی ہے۔اس کا دائرہ کار مسقط سے شروع ہو کر نزوہ، برکا،صیب ،صحار، بریمی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر دو سال بعد بذریعہ انتخابات 12 ڈائریکٹرز کا انتخاب کیا جاتا ہے۔پھر انہی ڈائریکٹرز میں سے کلب کے عہدیداران کا چناؤ ہوتا ہے،کلب کے معاملات کو لے کر آگے لے کر چلتے ہیں۔انتخابی عمل کے دوران پرانے امیدوار اپنی سابقہ کارکردگی کے ساتھ اور نئے لوگ نئے پروگرام کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔نتیجے میں بذریعہ ووٹنگ جمہوری مرحلہ طے ہوتا ہے اور یوں انتخابی پراسس مکمل ہو جاتا ہے۔ایک طویل عرصے سے یہی سلسلہ چل رہا ہے اور ہر دو سال بعد یہ کلب ایک نئی جمہوری تاریخ رقم کرتا ہے۔اس سال بھی اسی طرح کا ہنگامہ تھا۔ایک طرف سابق چیئرمین پاکستان سوشل کلب میاں محمد منیر کی سربراہی میں شبیر احمد ندیم،محمد کلیم اختر، چودھری اصغر علی، ناصر معروف،شوکت حسین،عمران اقبال،محمد علی فضل، چودھری محمد عباس،قمر ریاض،زعیم اختر اور کاشف احمد زعیم پر مشتمل بارہ رکنی پینل حصہ لے رہا تھا۔دوسری طرف پاکستان سوشل کلب کے سابق وائس چیئرمین اخمت حیات راجہ کی سربراہی میں محترمہ عذرا علیم،محمد اسلم نواب،محمد یوسف،سید سخاوت بخاری،محمد اشرف،شکور اعظم،امجد فاروق،سید کریم الدین اور اختر سلیم پر مشتمل دس رکنی پینل حصہ لے رہا تھا۔چند روزہ انتخابی مہم کے بعد انتخابات کا عمل مکمل ہوا،اور جو نتیجہ سامنے آیا،اس کے مطابق میاں محمد منیر کی سربراہی میں حصہ لینے والے پینل نے مکمل اکثریتی کامیابی حاصل کی۔انتخابی نتائج کے مطابق۔قمر ریاض

خدمات کا سفر یوں ہی جاری رہے گا: میاں محمد منیر

شبیر احمد ندیم نئے وائس چیئرمین

717،شوکت حسین 675،کاشف احمد زعیم 530،عمران اقبال 523، میاں محمد منیر 522، چودھری اصغر علی 502، چودھری عباس 498، کلیم اختر 491، ناصر معروف 489، شبیر ندیم 480، محمد علی فضل اور زعیم اختر 472 ووٹ لے کر کامیاب قرار پائے۔جبکہ مخالف پینل کا کوئی امیدوار کو نشست حاصل نہ کر سکا۔

انتخابات کا ہنگام ختم ہو چکا ہے مگر اس کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی رہے گی۔میاں محمد منیر اس کامیابی کے بعد انتخابی کامیابیوں کی ہیٹ ٹرک مکمل کر چکے ہیں۔اس موقع پر میاں محمد منیر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری کامیابی ہماری خدمات کا اعتراف ہے اور ہم پر اعتماد کا اظہار ہے۔انشااللہ خدمت کے اس سفر کو یونہی جاری رکھیں گے۔

میاں محمد منیر چیئرمین، شبیر احمد ندیم وائس چیئرمین،محمد زعیم اختر جنرل سیکریٹری اور چودھری اصغر علی فنانس سیکریٹری کے فرائض ادا کریں گے۔

عمران اقبال

ناصر معروف

محمد علی فضل

چودھری محمد عباس

ریاض قمر

کاشف احمد زعیم

شوکت حسین

کلیم اختر

پاکستان سکول مینجمنٹ کمیٹی عمان برائے

2018-2019

عمان میں پاکستانی کمیونٹی کے حوالے سے سیاسی میدان دو طرح سے گرم ہوتا ہے۔ایک پاکستان سوشل کلب کے انتخابات اور دوسرا پاکستان سکول مینجمینٹ کمیٹی کے چناؤ۔دونوں کی سیاست کی بنیاد مالی منفعت نہیں بلکہ اپنی کمیونٹی کی خدمت ہے۔انتخابات کا سیاسی ایجنڈا اپنی کمیونٹی کی فلاح اور بہتری ہے۔سکول مینجمنٹ کمیٹی کے انتخابات میں امیدوار سامنے آتے ہیں،جن کے بچے پاکستان سکول میں زیر تعلیم ہوتے ہیں اور زیر تعلیم بچوں کے والدین ہی ووٹ کاسٹ کر کے مینجمنٹ کمیٹی کے عہدیداروں کا چناؤ کرتے ہیں اور پھر اس مینجمنٹ کمیٹی کی نگرانی میں متعلقہ سکول کے امور اور معاملات طے ہوتے ہیں۔مرکزی سطح پر چیئر مین،وائس چیئر مین اور دیگر عہدیداروں کا انتخاب ہوتا ہے۔جب کہ مقامی سطح پر ڈائریکٹر اور کمیٹی ممبران کا انتخاب ہوتا ہے۔گزشتہ دنوں سکول مینجمنٹ کمیٹی کے انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے اس کی تفصیل میں پیش کر رہے ہیں۔

بورڈ آف ڈائریکٹرز برائے سال 2018 تا 2019

پاکستان سکول۔مسقط

عبدلااحد نذیر
چیئرمین

فرحان غفور
وائس چیئرمین

خادم حسین جکھڑ
ڈائریکٹر

احمد نواز حاکرو
ڈائریکٹر

محمد عبداللہ طاہر خان
ڈائریکٹر

محمد قیس
ڈایریکٹر

پاکستان سکول مینجمنٹ کمیٹی۔صلالہ

ڈاکٹر اقتدار علی شاہ
صدر

ڈاکٹر اکبر علی خان
ممبر

سہیل امجد نور
ممبر

ڈاکٹر محمد ابراہیم اعوان
ممبر

سکول مینجمنٹ کمیٹی۔صحار

مجاہد حسین ذکی
صدر

شاہد خورشید
ممبر

سرفراز رحمت علی
ممبر

نوید طارق
ممبر

سکول مینجمنٹ کمیٹی۔نذوہ

محمد خرم
صدر

ڈاکٹر عاطف اشرف
ممبر

سکول مینجمنٹ کمیٹی۔صیب

شاہد محمود
صدر

نازیہ حسن
ممبر

علی اشفاق
ممبر

جعفرعلی
ممبر

سکول مینجمنٹ کمیٹی۔مصنہ

چودھری محمد الیاس
صدر

محمد معظم خان
ممبر

ثناءاللہ
ممبر

سکول مینجمنٹ کمیٹی۔بریمی

ڈاکٹرظفرمحمود
صدر

ذکیہ افضل
ممبر

لاہور۔کلچرل ٹریژر کی کلاسیکی محفل موسیقی

کلچرل ٹریژر کے زیراہتمام استاددلاور حسین شامی اوراستاد امتیاز علی خان کی یاد میں کلاسیکی محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا۔جس میں نایاب علی خان،ریاض علی خان،اعجاز علی خان،قاسم علی خان،سجاد علی خان،ارشد علی خان،توصیف علی خان اور علی بخت خان نے فن کا مظاہرہ کیا۔کلچرل ٹریژر کی طرف سے ریاض علی کو پھول پیش کئے گئے۔اس موقع پر کلچرل ٹریژر کے چیئر مین راجہ ریاض نے کہا کہ وہ آئندہ بھی ایسی محافل کا انعقاد کرتے رہیں گے۔مظفر چودھری،محبوب علی خان اور مرغوب نقوی نے کمپئرنگ کے فرائض انجام دیئے۔

عمانی اپنے ثقافتی ورثے کی قدر کرتے ہیں

سلور جیولرز صلالہ عمان کے روحِ رواں افتخار احمد سے گفتگو

افتخار احمد چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننا چاہتے تھے، مگر حالات وواقعات انہیں جیولری کے کاروبار کی طرف لے آئے۔ وہ خاندانی طور پر لوہار ہیں مگر کام سونار کا کرتے ہیں۔ اسی کام میں بھی ہنر مندی کے سبب انہوں نے نام کمایا ہے۔ وہ عمان کی بنیادی شناخت تلوار اور خنجر کو اس کی خوبصورتی کے ساتھ بنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا عمانی ثقافت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسی سبب وہ عمان کے ثقافتی فروغ کے سرکاری ادارے میں بطور استاد خنجر اور تلوار بنانے کے ہنر کی تعلیم بھی دے رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں ہمارے سفرِ عمان کے دوران ان سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران عمانی ثقافت کے حوالے سے طویل گفتگو ہوئی۔ ذیل میں ہم ان سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ میں 1988ء سے عمان میں مقیم ہوں۔ اس دوران مجھے کاروبار کے ساتھ عمانی ثقافت کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ میں سمجھتا ہوں عمانی انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار قوم ہیں۔ ان کے دل میں سب کے لیے جذبۂ ہمدردی ہے۔ یہ اپنی روایات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں آ کر میں نے خنجر اور تلوار بنانا سیکھا اور میں واحد پاکستانی ہوں، جو عمانی کو بچوں کو تلوار اور خنجر بنانا سکھا رہا ہے۔ یہاں ایک ثقافتی ادارہ ہے، جس کے زیرِ اہتمام ان کی باقاعدگی سے تربیت ہوتی ہے۔

سوال: عمان کی بنیادی ثقافت کیا ہے؟

جواب: خنجر اور تلوار بنیادی ثقافت میں شامل ہیں۔ خنجر کے آگے چھری آجاتی ہے۔ ان کی ہر تقریب کے لیے خنجر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

سوال: نجی سطح پر بھی اس کا استعمال ہے؟

جواب: نجی سطح پر دیکھا جاتا ہے، کون سا خنجر کتنا قیمتی ہے جتنا قیمتی ہوگا اتنا ہی معتبر تصور کیا جائے گا۔ اس بات پر منحصر ہے کہاں بنا ہے؟ اس پر خوب صورتی کے حوالے سے کام کیا ہوتا ہے، ظاہر ہے جتنا اچھا کام ہوگا اتنا ہی وہ خوبصورت ہوگا اور قیمتی بھی ہوگا۔ ماضی کے ہتھیار اب ثقافتی علامت بن چکے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ یہ خنجر محض دکھاوے کے ہیں، یہ خنجر قابلِ استعمال ہیں۔ وہ ساری خوبیاں جو ایک اچھے خنجر میں ہونی چاہئیں اس میں ہیں، تلوار بھی اتنی ہی تیز ہوتی ہے۔

سوال: کیا یہ قوم بہت زیادہ مارشل تھی؟

جواب: عرب جنگجو تو رہے ہیں۔ وہ روایت تو ہے ان کے پاس، یہ تلوار اور خنجر اس روایت کی یادگار اور علامت ہیں۔ اب ان کا استعمال نہیں ہوتا مگر انہوں نے اپنے ثقافتی ورثے کو سنبھال کر رکھا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی نے خنجر یا تلوار سے کسی کو مار دیا ہو۔ وہ تلوار خریدتے وقت اس تلوار کی دھار چیک کریں گے، اس کا بیلنس دیکھیں گے کہ یہ کام کرتی ہے یا نہیں۔

سوال: ہر عمانی جو ہتھیار رکھتا ہے اسے چلانا بھی جانتا ہے؟

جواب: یہ نہیں کہا جا سکتا البتہ اسے اپنا ثقافتی رقص ضرور آتا ہے۔ جب بچوں کو تربیت دینے جاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ ان ہتھیاروں کو دیکھ کر ہر بچے کا رقص کرنے کے لیے دل مچلتا ہے، جب انہیں رقص کا کہا جائے تو بڑے خوش ہو کر دل سے کرتے ہیں۔

ہر علاقے کے زیورات اور ملبوسات مختلف ہیں

خنجر اور تلوار یہاں کی ثقافتی علامت ہے

پگڑی کیساتھ میچنگ شال استعمال کی جاتی ہے

سوال: پاکستان میں آپ نے اس کی تربیت کہاں سے حاصل کی؟

جواب: میں نے یہ سب کام یہاں آ کر سیکھا۔ پاکستان میں تو میں نے صرف انگوٹھیاں بنانا سیکھا تھا۔ یہاں آیا تو میرے بڑے بھائی پہلے سے یہ کام کرتے تھے۔ میں نے ان سے یہ کام سیکھنا شروع کیا اور میں نے بہت جلد اسے سیکھ لیا۔

سوال: ہمارے ہاں پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ میں مختلف قسم کے زیورات ہیں؟

جواب: یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ آپ کو زیور اور خنجر علیحدہ ملے گا۔ جہاں بھی جائیں گے وہاں کا زیور بالکل مختلف ہو گا۔ ہر جگہ نئی ورائٹی دیکھنے کو ملے گی۔ یہاں زیورات الگ الگ ہیں مگر پگڑی اور ٹوپی ایک جیسی ہے۔

سوال: اس کے بعد جیولری کا کام بھی شروع کر دیا؟

جواب: جب ہم نے یہ کام شروع کیا تو ہر طرح کا کام آنا شروع ہو گیا۔

سوال: جیولری کے حوالے سے یہاں کی خواتین بھی پاکستانی خواتین کی طرح ہیں؟

جواب: سونے کے زیورات کے حوالے سے دُنیا بھر کی خواتین سب ایک جیسی ہیں، صرف سٹائل کا فرق آجاتا ہے۔ باقی جیولری کی خواہش کا کوئی فرق نہیں ہے۔

سوال: یہاں بھی زیورات وغیرہ جہیز کا حصہ ہیں؟

جواب: یہاں جہیز نہیں مہر ہوتا ہے، اصل میں اسلامی فریضہ بھی یہی ہے۔

سوال: جس طرح ہمارے ہاں جہیز کا مسئلہ ہے، یہاں

پر مہر مسئلہ ہے؟

جواب: مسئلہ ہے مگر اتنا بڑا نہیں۔ جب تک لڑکا برسر روزگار نہیں ہو جاتا، سب کچھ والد کے سر پر ہوتا ہے۔ لڑکا برسر روزگار ہو جاتا ہے تو سب مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ گھر مل جاتا ہے، ضروریاتِ زندگی کی دوسری اشیاء قسطوں پر مل جاتی ہیں جو آپ کی تنخواہ میں سے آہستہ آہستہ کٹتی رہتی ہیں۔ زیادہ تر یہاں ارینج میرج ہوتی ہیں۔ لڑکی لڑکا ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں تو بھی شادی والدین کی رضامندی اور شمولیت کے ساتھ ہوتی ہے۔ دونوں خاندانوں کی بات چیت ہوتی ہے۔ مہر اور دیگر معاملات طے ہوتے ہیں، پھر شادی ہوتی ہے۔ لڑکی کے والدین کے ذمے کچھ نہیں ہوتا۔

سوال: جو کر رہے ہیں کیا یہی کرنا چاہتے تھے؟

جواب: نہیں میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننا چاہتا تھا، اب شاید میری بیٹی یہ کرے۔

سوال: اگلا ٹارگٹ کیا ہے؟

جواب: یہاں ہم جو کر رہے ہیں وہ تو یہیں تک ہے، شکر ہے مطمئن ہوں۔

سوال: یہاں بچوں کا مستقبل کیسا دیکھتے ہیں؟

جواب: ہم نے چونکہ اپنے بچوں کو مناسب عربی تعلیم نہیں دی۔، اس لیے اعلیٰ تعلیم اور جاب کے لیے بچوں کو پاکستان بھیجتے ہیں۔ یہاں رہنا ہے تو بزنس کرنا پڑے گا۔

سوال: بچے آپ کے بزنس کو تسلسل دینا چاہتے ہیں؟

جواب: چھوٹا بیٹا ایسا کرنا چاہتا ہے، بڑے بیٹے کو دلچسپی نہیں ہے، اسے اگر کہوں کہ کبھی ویسے ہی آ کے بیٹھ جاؤ تو اسے یہاں بیٹھ کر مزہ نہیں آتا۔

سوال: یہاں طلبہ کا اساتذہ کے ساتھ رویہ کیسا ہوتا تھا؟

جواب: جو یہاں کے مقامی اساتذہ ہیں، ان کا تو وہی احترام ہے، جو ہونا چاہیے ہم چونکہ باہر کے لوگ ہیں اور رضا کارانہ طور پر پڑھا رہے ہیں، ہم طلبہ کو اس طرح سے دبا نہیں سکتے، نہ ڈانٹ سکتے ہیں اور ہم ڈانٹنا یا دبانا بھی نہیں چاہتے۔ اس ملک نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے اس لیے ہم دل سے اس ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے میں پورے خلوص کے ساتھ تعلیم دے رہا ہوں۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں وہ شرارتیں بھی کرتے ہیں ہمیں انہیں پیار سے سمجھاتے ہیں جہاں تک اس ثقافتی ادارے کا تعلق ہے وہاں عملہ کے تمام افراد کو پورا عزت واحترام دیتے ہیں، سر افتخار کہہ کر بلاتے ہیں۔

سوال: یہاں تعلیم مہنگی ہے یا سستی؟

جواب: تعلیم بالکل مفت ہے بلکہ بچوں کو راغب کرنے کے لیے انہیں کھانا اور کچھ نہ کچھ خرچہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہاں کی شرح خواندگی اسی لیے بہت زیادہ ہے۔

سوال: زیورات میں جو پتھر آپ استعمال کرتے ہیں کیا اس کے اثرات ہوتے ہیں؟

جواب: جہاں تک تجربے کی بات ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ استعمال کرتے ہیں وہ آ کر بتاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں پتھر کا استعمال کیا، اس کا یہ اثر ہوا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ان پتھروں کے اثرات ہیں۔ جہاں تک ذاتی استعمال کا تعلق ہے، میں نے کبھی پتھر استعمال نہیں کیا۔ مجھے پتھر کی انگوٹھی پہننا عجیب سا لگتا ہے، اس لیے میں استعمال نہیں کرتا۔

کویت میں پاکستان کے غیر سرکاری سفیر

حافظ محمد شبیر

وہ پاکستانی پرچم کی سربلندی کیلئے کوشاں ہیں

ملاقات: عبدالشکور

حافظ محمد شبیر عرصہ دراز سے کویت میں مقیم ہیں، ایک کامیاب بزنسمین بھی ہیں مگر ان کا زیادہ تر وقت کمیونٹی کی خدمت اور کویت میں پاکستان کا بہتر امیج قائم کرنے کیلئے کی جانے والی کاوشوں میں گذرتا ہے۔ پچھلے چند برسوں سے وہ پاکستانی مصنوعات کے کویت میں فروغ اور پاکستان میں زیادہ سے زیادہ غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے کوششیں کر رہے ہیں، انہوں نے بلا امتیاز کمیونٹی کی خدمت کی، ان کی خدمات کے اعتراف میں 2013 میں ممبر او پیک (اوور سیز پاکستانیز ایڈوائزری کونسل) نامزد کیا، انہوں نے کویت میں پاکستانی مصنوعات کو متعارف کرانے اور فروغ دینے کیلئے پاکستان بزنس سینٹر قائم کیا، پاکستان بزنس سینٹر کے بینر تلے انہوں نے کویت میں متعدد نمائشوں کا اہتمام کیا، جن میں پاکستانی مصنوعات نمائش کیلئے رکھی گئیں، پہلی دفعہ کویتی بھائیوں نے میڈان پاکستان مصنوعات میں دلچسپی ظاہر کی اور وہ پاکستانی مصنوعات کے بارے میں استفسار کرتے نظر آئے، انہوں نے بحثیت ممبر او پیک 2015 میں کراچی میں منعقد ہونے والی ایکسپو) بین الاقوامی تجارتی کانفرنس (میں دنیا بھر سے بڑے وفد کی کویت سے شرکت کا اہتمام کیا جن میں کثیر تعداد میں کویتی کاروباری شخصیات بھی شامل تھیں، گذشتہ برس 2017 میں بھی ایکسپو کراچی میں شرکت کیلئے سرکردہ کاروباری شخصیات کا وفد لے کراچی پہنچے تھے، انہوں نے کئی مرتبہ کویتی کاروباری شخصیات کو پاکستان کے دورے کرائے خوبصورت سیاحتی مقامات دکھائے، ان کی خدمات کے اعتراف میں گزشتہ برس پاکستان ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر چوہدری عبدالغفور نے کوآرڈینیٹر ٹورازم برائے کویت مقرر کیا، پاکستان میں سرمایہ کاری کے حوالہ سے ان کی کوششوں کے اعتراف میں انہیں انٹرنیشنل انویسٹمنٹ گروپ نے کنسلٹنٹ مقرر کیا، انہوں نے سفارتخانہ پاکستان میں ان سرمایہ کاروں کے نمائندوں کی سفیر پاکستان سے ملاقات کا اہتمام کیا، وہ پچھلے چند برسوں سے کویت میں مینگو فیسٹول کا بھی اہتمام کررہے ہیں، پاکستانی آموں کی خریداری میں کویتی کمیونٹی سرفہرست نظر آتی ہے۔ انہوں نے گزشتہ دنوں کویت یونیورسٹی کے بزنس ڈیپارٹمنٹ کے طلبا وطالبات کے ساتھ مل کر نمائش کا اہتمام کیا جس کے پلاٹینیم سپانسر بھی پاکستان بزنس سنٹر تھا، جس میں غیر ملکی سفارتکاروں نے بھی شرکت کی اور کویتی و پاکستانی کمیونٹی کو ایک دوسرے کے مزید قریب آنے کا موقع ملا، حافظ محمد شبیر سے گزشتہ دنوں ایک ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ گفتگو کی تفصیل نذر قارئین ہے۔ س: پاکستان بزنس سینٹر کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور اب تک اس نے کتنے اہداف حاصل کر لیے ہیں؟ ج: پاکستان بزنس سینٹر کے قیام کا مقصد کویت میں میڈان پاکستان اشیا کو فروغ دینا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان بزنس سینٹر کی ٹیم دن رات محنت کر رہی ہے۔ پاکستان بزنس سنٹر کے قیام کے بعد ہم نے کویت میں قرشی اور مچلز کی مصنوعات متعارف کرائیں بڑی کامیابی سے مینگو فیسٹول منعقد کئے آج میڈان پاکستان مصنوعات کویت کی ہر بڑی مارکیٹس اور بڑے اسٹورز پر دستیاب ہیں، ہم نے کویت میں پاکستانی مصنوعات کی پروموشن کیلئے نمائشوں کا اہتمام کیا جن میں کویتی کاروباری شخصیات نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی اور پاکستان میں 2015 اور 2017 میں ہونے والی ایکسپو میں پاکستانی اور کویتی تاجروں کے وفود لے کر گئے، یہ سفر ابھی جاری ہے انشاللہ رواں سال بھی مینگو فیسٹول اور دیگر تجارتی نمائشوں کا اہتمام کیا جائیگا۔ س: پاکستانی مصنوعات اور پاکستان میں سرمایہ کاری کے حوالہ سے کویتی کاروباری شخصیات کا ردعمل کیسا ہے؟ ج: کویتی کاروباری شخصیات پاکستانی مصنوعات اور پاکستان میں سرمایہ کاری کے حوالہ سے بڑی پرجوش نظر آتی ہیں، 2015 اور 2017 کی ایکسپو کانفرنسوں میں کویتی کاروباری شخصیات نے بھرپور شرکت کی، بعد ازاں پاکستان بزنس سینٹر نے ان شخصیات کو پاکستان میں خوبصورت تفریحی مقامات کے دوروں کا بھی اہتمام کیا، ان دوروں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اب یہ شخصیات پاکستان کو تجارت کے لحاظ سے Most Favourite اور محفوظ ترین ملک قرار دے رہی ہیں۔ س: پاکستان بزنس سینٹر سماجی تقریبات میں بھی سرگرم نظر آتا ہے؟ ج: سماجی تقریبات مثلا کبڈی میچز، اور تعلیمی اداروں میں فن فیئرز وغیرہ پر بھی پاکستان بزنس سینٹر پاکستانی مصنوعات کے فروغ کے لیے اپنے اسٹالز لگاتا ہے اور قرشی مصنوعات مفت تقسیم کی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کھلاڑیوں طلبا وطالبات حتی کہ شرکا میں بھی انعامات اور قرشی مصنوعات تقسیم کی جاتی ہیں۔ جبکہ کوئز کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا ہے۔ س: کویتی سرمایہ کاروں اور تاجروں سے رابطوں کے حوالہ سے کچھ بتانا پسند کریں گے؟ ج:

پاکستان بزنس سنٹر کا مقصد پاکستانی مصنوعات کو فروغ دینا ہے

کویت کے سرمایہ کاروں اور بزنسمینوں سے مسلسل رابطے میں ہیں، اس سلسلہ میں ہمیں عزت مآب سفیر پاکستان غلام دستگیر اور سفارت خانہ کی مکمل سرپرستی حاصل ہے، گذشتہ دنوں کویتی سرمایہ کاروں کے ایک اعلی سطحی وفد کی عزت مآب سفیر پاکستان سے ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا، اس موقعہ پر پاکستان میں سرمایہ کاری کے فروغ کے حوالہ سے تبادلہ خیال کیا گیا پہلا سوال عزت مآب سفیر پاکستان نے یہ کیا کہ کتنی سرمایہ کاری کریں گے جس پر انہوں نے کہا کہ وہ مختلف کمپنیوں کے کنسلٹنٹ یعنی نمائندے ہیں آپ بتائیں کیا چاہتے ہیں ہماری طرف سے سرمایہ کاری لامحدود ہوگی۔ انہوں نے کہا وہ ایک ہفتہ کی منظوری کے ساتھ بھی جاسکتے ہیں اگر ہمیں پیکیج کے بارے میں معلومات فراہم کردیں مثلاً کیا پلان ہوگا اور کیا پرافٹ مارجن ہوگا وغیرہ۔ انہوں نے مزید بتایہ کہ سرمایہ کاری کرنے والی کمپنیوں نے پاکستان کو سرمایہ کاری کے حوالہ سے ایک مناسب اور محفوظ ملک کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔ اب اس پروجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انہوں نے کہا ہے کہ اس کی سیکورٹی کی جلومت پاکستان ذمہ دار ہوگی جس طرح کہ انٹرنیشنل پراجیکٹس کی حکومتیں ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ان کا اگلا پوائنٹ یہ تھا کہ سوورین گارنٹی کیلئے پاکستان کے وزیر خزانہ دستخط کریں گے تا کہ کسی بھی صورت حال مثلاً انتخابات ہڑتالوں وغیرہ کی صورت میں ان کا سرمایہ منافع محفوظ ہوگا۔ اگلا پوائنٹ ان کا یہ تھا کہ پاکستان کے بین الاقوامی سطح کے نہیں ہمیں پاکستان میں عالمی سطح پر ریپوٹڈ بینک کی ضرورت ہے یا نیشنل بینک کویت یا کویت فنانس بینک کی وہاں برانچز ہو جن کے ذریعے ہم اپنے سرمائے منافع وغیرہ کا لین دین کرسکیں۔ انٹرنل بینکنگ فسیلٹی کی بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہاں کے جو لوکل بینک ان سے لین دین کرسکتے ہیں قرضے وغیرہ لے سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہر پروجیکٹ کی فیزیبلٹی حکومت پاکستان تیار کر کے دیںہم اس فیزیبلٹی کے مطابق سرمایہ کاری کی کوٹیشن دیں گے۔ اس کے بعد ہمارا ایک وفد پاکستان کا دورہ کرے گا ون ٹو ون ملاقاتوں کے بعد کنٹریکٹ میمورنڈم آف انڈرسٹینڈ نگ ایم او یو کی صورت میں دستخط کرے گا۔ ایم او یو دستخط کرنے کے بعد ہم فیزیبلٹی سٹڈی کے مطابق اپنا کام آگے بڑھائیں گے اور منصوبہ کے مطابق سرمایہ کاری کریں گے، اس سلسلہ میں ہمیں ہر قسم کی سہولت چاہیے۔ اور اپنے طریقے سے کام کریں گے، حافظ محمد شبیر کے مطابق اس موقعہ پر انہوں نے سوال اٹھایا کہ اگر ہمارے پاس فیزیبلٹی اسٹڈی نہ ہو تو اس طرز پر کام شروع کردیں جیسا کہ چین والوں کہ ہم نے جگہ دی اور بتایا کہ ہمیں بجلی گھر چاہئے۔ سولر پلانٹ چاہیے، فائیو اسٹار ہوٹل وغیرہ چاہیے جیسا کہ سی پیک سے متعلق وہ کر رہے ہیں تو وہ خود ہی فیزیبلٹی رپورٹ تیار کرتے ہیں جس پر انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایسی ٹیمیں موجود ہیں جو بین الاقوامی معیار کے پروجیکٹس کر چکی ہیں وہ فیزیبلٹی تیار کرسکتی ہیں۔ ان کو مٹریل لے جانے کیلئے بھی فیسلٹی چاہیے ون ونڈو اپریشن چاہیے بعد میں انویسٹمنٹ ٹرانسفر کرنے کیلئے بھی فیسلٹی چاہیے بینکنگ فیسلٹی چاہیے گورنمنٹ ٹو پرائیویٹ سیکٹر میں بھی اگر کوئی پروجیکٹ کرنا چاہیں تو گو گورنمنٹ ہی ان کو سووران وارنٹی

کویتی تاجر پاکستانی مصنوعات میں دلچسپی لے رہے ہیں

دے گی کہ ان کا کوئی معاملہ نقصان کی طرف نہ جائے۔ ان کو ٹرانسپورٹ رہنے سہنے کیلئے ایسا انوائرمنٹ دیا جائے تا کہ ان کے لوگ آسانی سے رہ سکیں ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ ہو۔ وہ بارڈیل کیلئے بھی تیار ہیں یہ دنیا میں ایک نظام چلتا ہے جس کے مطابق وہ کوئی سڑک کارخانہ وغیرہ بناتے ہیں دس پندرہ سال کی طے شدہ مدت تک ٹال ٹیکس وغیرہ وصول کرتے ہیں جس کے بعد وہ ہینڈ اوور کردیتے ہیں۔ عزت مآب سفیر پاکستان نے کہا کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری بورڈ کو سفارشات بھیجیں گے، حافظ محمد شبیر نے کہا کہ وہ سرمایہ کاروں کا پینل عزت مآب سفیر پاکستان کے پاس لے کر گئے جس کا انہوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا، اور ان

کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور ہر ممکن تعاون کی یقین دھانی کرائی، جلد ہی وہ ایک اور وفد ٹورازم کے حوالہ سے بھی لے کر سفیر پاکستان کے پاس جائیں، اس طرح پاکستان لے لئے وہ جو کچھ کر سکتے ہیں کریں گے۔ س: آپ کو انٹرنیشنل انویسٹمنٹ گروپ نے کویت کیلئے اپنا کنسلٹنٹ بھی مقرر کیا ہے اس سلسلہ میں آپ نے گذشتہ دنوں پاکستان کے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کا دورہ کیا اور ایک بین الاقوامی نمائش میں شرکت کی اور وزیر مملکت برائے خزانہ امور رانا محمد افضل خان سے ملاقات کی، اس بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟ ج: حافظ محمد شبیر نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ملاقات بڑی سود مند

بین الاقوامی کمپنیاں پاکستان میں سرمایہ کاری کیلئے تیار ہیں

رہی، انہوں نے وزیر مملکت کو اس لیٹر کی بنیاد پر بات چیت کی کہ وہ انٹرنیشنل انویسٹمنٹ گروپ کے کنسلٹنٹ ہیں، انہوں نے ان کا والہانہ خیر مقدم کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر سرمایہ کار کہیں تو بین الاقوامی معیار کا بینک کھولنے کی تجویز پر غور ہوسکتا ہے ان ملٹی منصوبوں پر بات چیت ہوئی انہوں نے پیش کش کی کہ سرمایہ کاروں کو لے آئیں حافظ محمد شبیر نے کہا کہ انہیں وزیر مملکت سے مطلوبہ ڈاٹا موصول ہو گیا ہیانہوں نے کہا کہ سی پیک کے کچھ پراجیکٹس کے علاوہ بجلی کے شعبہ میں سرمایہ کاری کے حوالہ سے بات چیت ہوسکتی ہے انہوں نے کہا کہ اپنے انویسٹرز کو لے کر آئیں ان سے تفصیلی بات چیت ہوگی، حافظ محمد شبیر نے امید ظاہر کی کہ چندروز میں وہ وزیر مملکت سے پاکستان میں سرمایہ کاری کے حوالہ سے ایک اور ملاقات کریں گے۔ س: آپ پاکستان ٹوورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے کویت کیلئے کوآرڈینیٹر بھی ہیں گزشتہ دنوں اسلام آباد میں آپ کی ڈائریکٹر پاکستان ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن چوہدری عبدالغفور سے بھی ملاقات اس کی تفصیلات بتانا پسند کریں گے؟ ون ٹو ون ملاقات میں انہوں نے کویت میں ٹورازم کے حوالہ سے سے بات چیت ہوئی مختلف پراجیکٹس کے حوالہ سے تبادلہ خیال کیا گیا، بارسسٹم کے بارے میں بات چیت ہوئی، سیاحوں کو ٹرانسپورٹ، بس، ہیلی کاپٹر جیسی سہولیات، رہائش، ہوٹل وغیرہ کے بارے میں تفصیلی تبادلہ خیال ہوا، سیاحوں کیلئے ویزوں کا حصول آسان بنانے کے موضوع پر غور کیا گیا، حافظ محمد شبیر نے کویت میں ٹورازم کے حوالہ سے جو پراگریس ہوئی اس کے بارے میں بریفنگ دی، انہوں نے پاکستان میں ٹورازم کے حوالہ سے فیملی پیکج فرینڈز پیکیج کے حوالہ سے تبادلہ خیال ہوا، حافظ محمد شبیر نے آگاہ کیا کہ کویتی فیملیز کس طرح اپنے ملک سے سیاحت کیلئے روانہ ہوتی ہیں وہ گرمیوں کے موسم میں سیاحت کیلئے اپنے بچوں کے ہمراہ نکلتے ہیں، حافظ محمد شبیر نے ڈائریکٹر پی ٹی ڈی سی کو مزید بتایا کہ کویت میں ایک پارٹی ہے جو سیاحت کے شعبہ میں ملینز دینار خرچ کرنا چاہتی ہے ان کی کچھ ڈیمانڈز ہیں مثلاً انہیں دس کلومیٹر کی ایک پہاڑی چاہیے جس پر وہ انویسٹمنٹ کرسکیں اور پورے گلف میں ٹورازم کے حوالہ سے تشہیر کرسکیں اور منافع کما سکیں اور حکومت پاکستان سے دس سال کا معاہدہ کر کے ٹورازم کے فروغ میں کردار ادا کرسکیں حکومت پاکستان اس کی سوورین گارنٹی دے اس کے اپنے کنسلٹنٹ ہوں گے حکومت پاکستان ہر وزٹر کے حساب سے ان سے چارج کرے گی انہوں نے اس سلسلہ میں ایک پریزنٹیشن تیار کی ہے جس پر وہ عزت مآب سفیر پاکستان غلام دستگیر سے بات چیت کریں گے۔ انہیں انٹرنیشنل بینکنگ کی سہولت بھی درکار ہوگی وہ اپنے طور پر بین الاقوامی کمپنیوں سے معاہدے کریں گے۔ چوہدری عبدالغفور نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا انہوں نے کہا وہ انہیں سمندر میں گوادر سائیڈ پر جگہ دینے کیلئے تیار ہیں پاکستان کو سرمایہ کاری چاہیے وہ کسی طرف سے بھی ملے وہ اس کے لئے اپنی ذمہ داریوں سے ہٹ کر بھی کام کرنے کیلئے تیار ہیں پاکستان میں انویسٹمنٹ کیلئے فضا سازگار ہے اس حوالہ سے پاکستان کو ایک محفوظ ملک قرار دیا جاچکا ہے سی پیک کے ذریعے ملک میں سرمایہ کاری ہورہی ہے۔ پاکستان میں سرمایہ کاری کیلئے سازگار ماحول ہے کوئی ٹیکس نہیں بین الاقوامی کمپنیاں پاکستان جارہی ہیں، چوہدری عبدالغفور وزیر مملکت افضل خان نے بھی یہ بات کہی وہ بھی کہتے ہیں سرمایہ کاری کیلئے یہ مناسب ترین وقت ہے ان کے پاکستان میں قیام کے دوران جو پراگریس ہوئی وہ کویت میں اس پر کام کرینگے اور میموریںڈم ناف انڈرسٹینڈ نگ)ایم او یو(کی شکل دینے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت قیمتیں بہت کم ہیں اس وقت 100 ملئین ڈالرز کی پیشکشیں ہوچکی ہیں جنہیں وہ اعلی حکام کے سامنے رکھیں گے اور وہ اس پر کام کریں گے انٹرنیشنل فورم پاکستان کو سرمایہ کاری کیلئے محفوظ ملک قرار دے چکا ہے۔ س: آپ کو ممبر اوورسیز ایڈوائزری کمیشن پنجاب بھی نامزد کیا گیا ہے اس سلسلہ میں باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری ہو چکا ہے، آپ کے اہداف کیا ہیں؟ ج: میں تو تین سال تک اوپیک ممبر بھی رہ چکا ہوں اس کیلئے بھی باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری ہوا تھا، میرا ہدف کمیونٹی کی خدمت اور کویت میں پاکستانی مصنوعات کے فروغ اور پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری ہی ہوگا، اس کے علاوہ ہمیں کویت میں پاکستانی طلبا وطالبات کیلئے فری آن لائن ایجوکیشن کا بھی چند دنوں میں آغاز کرنے والے ہیں اس پر پچھلے کئی سالوں سے کام ہورہا ہے طلبا وطالبات کو ان کی کلاسز کے لحاظ سے تمام مضمون کے نوٹس اور لیکچرز آن لائن دستیاب ہونگے، فری آن لائن ایجوکیشن کے آغاز کا اعلان عنقریب کردیا جائے گا، یہ لیکچرز ان مضامین کے ماہر اساتذہ نے تیار کیے ہیں۔

پاکستان سے محبت ہمارے خون میں شامل ہے

برکا عمان میں مقیم معروف دریش صفت، کاروباری شخصیت "حاجی محمد بوٹا" سے گفتگو

پاکستان ایمبیسی میں یوم پاکستان کی تقریب تھی۔تقریب میں دیگر مہمانوں کے ساتھ عمان میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کی سبھی معزز شخصیات شریک تھیں۔۔مگر ان میں سب سے نمایاں ایک بزرگ کی شخصیت نظر آرہی تھی۔نمایاں نظر آنے کی وجہ ان کی سادگی تھی۔سفید شلوار، قمیض اور پگڑی میں ملبوس وہ سب سے الگ اور باوقار لگ رہے تھے۔استفسار پر معلوم ہوا کہ ان کا نام حاجی محمد بوٹا ہے،اور وہ عمان میں مقیم معروف پاکستانی کاروباری اور سماجی شخصیت ہیں۔قومی لباس اور سادگی ان کی پہچان بھی ہے اور خوبی بھی ہے۔وہ سچے، کھرے اور مجسم پاکستانی ہیں۔یہی وہ لمحہ تھا، جاب ان سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی۔بعدازاں ان سے متعدد مرتبہ رابطہ ہوامگر کبھی ان کی اور کبھی ہماری مصروفیت آڑے آتی رہی۔آخر گزشتہ سفر عمان کے دوران ان ملاقات ہو ہی گئی۔اس طویل ملاقات کے دوران ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی اور انہیں جاننے اور سمجھنے کا موقع بھی ملا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے آپ کسی درویش صفت انسان سے گفتگو کر رہے ہیں، جو ہمہ وقت دوسروں کی حدمت کیلئے تیار رہتا ہے۔دین اور وطن کی محبت سے سرشار اس سخصیت کا اپنا رنگ اور اپنا ڈھنگ ہے۔بے لوث خدمت اور محبت کا رنگ۔ذیل میں ہم ان کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی تفصیل پیش کرر ہے ہیں۔

جب حاجی بوٹا صاحب سے گفتگو کا آغاز ہوا، تو ہم نے ایمبیسی والی تقریب کا تذکرہ کیا تو حاجی بوٹا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا"ہم پاکستانی ہیں، ہمارا اپنا پہناوا ہے اور ہمیں اپنی تہذیب اور ثقافت کے مطابق ہی اپنا لباس پہننا چاہیے، اپنا لباس ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔ ایک مرتبہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی صاحب یہاں مسقط تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔اس تقریب میں ہم چار لوگ چوہدری عابد، اسلم گوندل، چوہدری اسلم صحار والے اور میں شلوار قمیض پہن کر شریک ہوئے۔اپنے قومی لباس کی وجہ سے ہم چار لوگ ہی نمایاں تھے۔سب نے ہماری تعریف کی۔ مجھے عمان میں رہتے ہوئے 40 سال ہو گئے ہی۔میں نے ساری زندگی شلوار قمیض ہی پہنی ہے۔گزشتہ دنوں عمان کے قومی دن کی تقریب تھی۔جس میں عمانی شخصیات شریک تھیں۔ میں وہاں بھی شلوار قمیض پہن کر شریک ہوا۔اب تو عمان میں یہ لباس میری پہچان اور شناخت بن چکا ہے۔عمان ایسا ملک ہے جہاں ہر شخص اپنی تہذیب وثقافت کے ساتھ آزادی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔اللہ تعالی سلطان قابوس کی عمر دراز کرے، انہوں نے اس ملک کو ترقی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔اپنی مثبت پالیسیوں کے سبب عمان کو صحیح معنوں میں امن کا قلعہ بنا دیا ہے۔آج پرانی مثالوں کے مطابق یہاں پر شیرا ور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے ہیں، کسی قسم کا ڈر اور خوف نہیں ہے۔.سب کے لیے ایک ہی قانون ہے اور سب لوگ قانون کی پابندی کرتے ہیں۔یہاں پر دو چیزوں پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ایک تو تعلیم ہے اور دوسرا صحت۔صحت سے مراد ہسپتالوں کا قیام ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ عمان میں جگہ جگہ صحت کے مراکز قائم کیے ہیں۔ان کی مقامی آبادی کو صحت اور تعلیم کے حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے ان کی شرح خواندگی بہت زیادہ ہے۔عمانی سلجھی ہوئی قوم ہے۔اس قوم نے بہت تھوڑے عرصے میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔عمان امن کا قلعہ ہے۔یہاں قانون اور انصاف کی پاسداری ہے۔پورے خلیج میں آپکو عمان جیسا صاف ستھرا ملک نظر نہیں آئے گا۔مجھے 40 سال یہاں رہتے ہوئے ہو گئے ہیں، مجھے کبھی اس دوران کسی پولیس سٹیشن یا سرکاری ادارے میں حاضری کے لئے نہیں جانا پڑا۔آپ اصول اور قانون کے مطابق زندگی بسر

> "آپ کا لباس آپ کا وقار اور آپ کی پہچان ہے
> سلطان قابوس نے عمان کو امن کا قلعہ بنا دیا ہے"

> پاکستان کو عمان اور عمان کو پاکستان کی ضرورت ہے

کریں تو کوئی آپ کو کچھ نہیں کہتا۔آپ کو مشکل اسی وقت ہوگی جب آپ کوئی گڑبڑ کریں گے ۔اب تو ہمارے بچوں کے بھی بچے ہوگئے ہیں ۔سب لوگ سکون سے رہ رہے ہیں۔ ۔جب وہ پاکستان جاتے ہیں تو وہاں کے حالات دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔اس لیے وہ یہیں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو کسی قسم کے لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کا پتہ نہیں ہے۔کیونکہ یہاں پر ماحول ہی پرامن ملا ہے،۔یہاں کی تہذیب یا کلچر پاکستان سے بہت مختلف ہے، یہاں پورے برکا میں رمضان کے دوران مکمل قرآن نہیں سنایا جاتا میرے پاس دو حافظ قرآن ہیں، جو رمضان کے دوران قرآن پاک سناتے ہیں ۔اگر میں ہی اس موقع پر موجود نہیں ہوں گا تو اس سارے کام کی نگرانی کون کرے گا اور یہ سب ممکن کیسے ہوگا ؟ رمضان کے دوران کوئی اور مصروفیت نہیں رکھتا۔تمام شرکائے محفل کو افطاری بھی دینا ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑا انتظام ہوتا، جو ہم سالہا سال سے کررہے ہیں۔اسی طرح جمعہ والے دن صبح قرآن خوانی کراتے ہیں جو 11 ساڑھے گیارہ بجے تک ہوتی ہے۔اس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں ،جمعہ کی نماز کے بعد لنگر تقسیم ہوتا ہے، جو دوڑھائی تین بجے تک چلتا ہے۔ ۔پھر شام کو نماز عصر کی ادائیگی کے بعد فراغت ملتی ہے۔

سوال: پاکستان ایمبیسی کے حوالے سے بھی مسائل ہیں؟

جواب :پاکستان ایمبیسی کے حوالے سے اب اتنے مسائل نہیں ہیں۔جب سے نئے سفیر پاکستان تشریف لائے ہیں۔تب سے انہوں نے صبح، سویرے لوگوں کے مسائل کے حوالے سے ایک گھنٹہ ٹائم دینا شروع کیا ہے، تب سے کام میں خاصی تیزی آگئی ہے۔ ۔اب کسی کا کام رکتا نہیں ہے۔انہوں نے پاکستانی کمیونٹی کے سرکردہ افراد سے کمیونٹی کے مسائل جاننے کے لیے ملاقات بھی کی تھی ۔سب لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔اس موقع پر میں نے کہا تھا کے حکومت عمان کی طرف سے پاکستان ایمبیسی کے لیے جگہ دی گئی ہے مگر ابھی تک ایمبیسی کی عمارت نہیں بنی ،اسے تعمیر ہونا چاہیے ۔ہماری کسی مدد کی ضرورت ہے ،تو ہم حاضر ہیں۔اس کے علاوہ بہت سے ایسے مسائل ہیں ،خصوصاً بلوچستان کے حوالے سے جس کے لیے پاکستانی وزیر خارجہ کا یہاں کا دورہ ہونا چاہیے ۔سفیر صاحب نے میری اس تجویز کو پسند کیا اور پھر تھوڑے عرصے بعد ہی سیکرٹری خارجہ سرتاج عزیز نے عمان کا دورہ کیا اور پاکستان ایمبسی کمپلیکس کا سنگ بنیاد رکھا۔اس وقت سرتاج عزیز صاحب نے مجھ سے خصوصی ملاقات بھی کی ۔میں سمجھتا ہوں ,پاکستان کو عمان کی اور عمان کو پاکستان کی بہت ضرورت ہے ۔حکومت عمان اس حوالے سے بہت تعاون کر رہی ہے ۔پاکستانی حکومت کو بھی اس سلسلے میں مزید ہاتھ بڑہانا چاہیے۔کیوں کہ گوادر میں جو پورٹ بن رہی ہے،اسے آگے بڑہانے کے لیے عمان بہت اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔۔

سوال: آپکا روحانیت یا پیری، مریدی کے ساتھ بھی کوئی تعلق ہیں؟

جواب: نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ...میں بالکل سیدھا سادھا آدمی ہوں، بحیثیت مسلمان اپنے دین سے محبت ہے اور وطن سے پیار کرتا ہوں۔۔

سوال: آپ عمان کب اور کیسے آئے؟

جواب: میں پاکستان آرمی میں ملازمت کرتا تھا۔۱۹۶۹ میں فوج میں بھرتی ہوا تھا،۱۹۷۱ کی وار میں حصہ بھی لیا اور اسی دوران قید ہوگیا۔طویل عرصے بعد، جب رہائی ملی تو فوج سے ریٹائرمنٹ لے لی ۔اس وقت گھر کے حالات معاشی حوالے سے اتنے اچھے نہیں تھے۔روزگار کے مسائل تھے اور پھر روزگار کی تلاش میں عمان چلا آیا۔یہاں بھی اس وقت اس طرح کے حالات نہیں تھے یہ عمارتیں اور یہ رونق نہیں تھی۔ ۔ہر طرف ویرانہ تھا اور روہی تک صحرا اور جھاڑیاں نظر آتی تھیں۔بس جنگل کا سماں تھا۔ہم یہ دیکھ کر گھبرائے یا پریشان نہیں ہوئے۔فوج کی زندگی گزار چکا تھا۔جوان اور جفاکش تھا اس لیے جو کام ملا قبول کیا اور کرنا شروع کردیا۔عمان میں میرے سفر کا آغاز مزدوری سے ہوا،طویل عرصہ تک مزدوری کی خود گزارا کیا اور گھر کی کفالت کی اس دوران بے روزگاری کا سامنا بھی کرنا، بہت سی مشکلات پیش آئیں مگر گھبرایا نہیں، حالات کے آگے ڈٹا رہا ہے، میری عمر کے جتنے بھی لوگ اس وقت آئے، سب نے یہاں اپنے سفر کا آغاز مزدوری سے ہی کیا۔میرا کفیل بہت اچھا تھا۔اس کے بال بچے نہیں تھا، پڑھا لکھا بھی نہیں تھا مگر اس نے میرے ساتھ سلوک بہت اچھا کیا۔ ۔اس کی وجہ شاید میری محنت اور ایمانداری تھی۔۔وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور مجھے پوری آزادی دی کہ میں جو چاہوں، جیسے چاہوں کروں۔سن 2000 میں میرے کفیل شدید بیمار ہوگئے ۔انہیں کینسر کا عارضہ تھا۔حکومت عمان نے ان کے علاج کا انتظام کیا اور علاج کے لئے انڈیا بھیجا گیا۔اس کے لیے مجھے ساتھ بھیجا گیا۔مدراس میں وہ ایک مہینہ نذیر علاج رہے ان کے بچنے کا امکان نہیں تھا، سد لئے واپس بھیج دیا گیا۔بہرحال کفیل کے انتقال کے بعد میں نے اس کاروبار کو مزید بہتر کیا ،تعمیرات کے لئے جدید مشینری کا انتظام کیا،س حوالے سے جو مشینری اور سیٹ اپ میرے پاس تھا۔وہ پورے عمان میں کسی اور خارجی کے پاس نہیں تھا۔بہرحال یہ جدوجہد اور محنت کے سفر کی طویل داستان ہے۔

سوال: آپ گزشتہ 40 سال سے عمان میں ہیں، پاکستان بھی آنا جانا ہوتا ہے؟

عمان کفیل نے میرے ساتھ اپنی اولاد جیسا برتاؤ کیا یہاں سب کے لئے ایک قانون اور انصاف ہے

جواب: جی پاکستان میں میرا ایک بھائی ہے، میری دو بہنیں رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے عزیز رشتہ دار ہیں۔ اس لیے پاکستان سے ہمارا تعلق ختم نہیں ہوا۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے یا کوئی پانچ چھ ماہ بعد پاکستان کا چکر لگتا رہتا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب سے ملتے ہیں اور پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہیں۔ گو کہ اب عمان ہی ہمارا گھر ہے مگر پاکستان ہماری بنیاد ہے۔ ہم پاکستان کو نہیں بھول سکتے، پاکستان سے محبت ہمارے خون شامل ہیں۔

سوال: پاکستانی کمیونٹی کو تعلیمی مسائل کا بھی سامنا ہے؟

جواب: نہیں یہاں پر تعلیمی مسائل کا تو کوئی سامنا نہیں ہے، بچے پاکستان سکول پڑھتے ہیں۔ یہاں سے پڑھنے کے بعد بڑا بیٹا چار سال انگلینڈ سے بھی پڑھ کے آیا ہے۔ ہمیں مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔۔ دوسرے بچوں نے بھی تین تین سال کے یہاں سے کورس کئے ہوئے ہیں۔ میری ایک بیٹی ڈاکٹر بن رہی ہے۔ ہمارے پاکستان سکول کے بعد عمان والوں کے اپنی یونیورسٹیاں اور کالجز اور دیگر تعلیمی ادار۔ بہت اچھے ہیں، جہاں بغیر کسی سفارش کے میرٹ پر داخلہ مل جاتا ہے، میں تو یہاں اس حوالے سے بالکل مطمئن ہوں جن بچوں نے ابتدائی تعلیم عمان کے تعلیمی اداروں سے حاصل کی ہوتی ہے انہیں بغیر کسی ٹیسٹ کے داخلہ مل جاتا ہے البتہ جو طالب علم بیرون ملک سے آ کے داخلہ لیتے ہیں انکا تحریری ٹیست ہوتا ہے اور انٹرویو بھی لیا جاتا ہے۔۔

سوال: لیکن یہاں پر انٹرمیڈیٹ کے بعد پاکستانی بچوں کے لیے اپنا کوئی پاکستانی تعلیمی ادارہ نہیں ہے؟

جواب: ہاں یہ ٹھیک ہے کہ یہاں ہائر ایجوکیشن کے حوالے سے کوئی پاکستانی تعلیمی ادارہ نہیں ہے، لیکن جب بچہ میٹرک کر رہا ہوتا ہے۔ اسی دوران والدین پروگرام بنا لیتے ہیں کہ بچے کو بعد میں کیا کرنا ہے کوئی مختلف قسم کے کورسز کرواتے ہیں اگر گریجویشن کے لئے کسی تعلیمی ادارے میں داخلہ دلوا نہ ہوتا ہے تو وہ دلواتے ہیں۔ یا مختلف ممالک میں بچے مزید پڑھنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ اگر کوئی بچہ آگے پڑھنا چاہ رہا ہے تو وہ پڑھ نا سکا ہو۔ ٹھیک ہے باز والدین کے مسائل ہوتے ہیں۔ تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر پاتے۔ ان بچوں کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ یہ بڑی فلاحی اور پرامن ریاست ہے۔ یہاں پر آگے بڑھنے کی کرنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو آگے بڑھنا چاہتا ہے ترقی کرنا چاہتا ہے اس کے مسائل حل بھی ہوتے ہیں اس کو وسائل بھی مل جاتے ہیں۔ سوچنے کی اور ہمت کرنے کی بات ہوتی ہے یہاں پر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے کئی دفعہ اس مسئلے کو اٹھایا ہے کہ پاکستانی کمیونٹی کے لیے مزید سکول بننے چاہیئں۔ اس وقت برکا میں سکول بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ اب مصنہ میں سکول ہے۔ یہاں سے وہاں روز بچوں کا آنا اور جانا آسان کام نہیں ہے اگر برکا میں اسکول بن جائے تو بچوں کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ اب یہاں پر انڈین سکول کی تعمیر شروع ہونے والی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کے پاکستانی اسکول کی تعمیر بھی یہاں پر ہونی چاہیے۔ یہ اجتماعی مسئلہ ہے اور اسے اجتماعی طور پر ہی حل ہونا چاہیے۔ یہاں پر اگر کوئی اس قسم کا مسئلہ انفرادی طور پر حل کرانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے شک کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، پتہ نہیں اس کا اس میں کیا فائدہ ہے جو یہ اکیلا ہی لے کے چل رہا ہے اور حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ سب کو مل جل کر مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے ہاں بہت سے کام ہو سکتے ہیں اور ہو سکتے تھے لیکن سیاست کی نذر ہو گئے۔ نمبر بنانے کے گیم میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچی جاتی ہے۔ ہماری انپڑھ سیاسی قیادت سیاست زیادہ اور کام کم کرتی ہے۔ پڑھے لکھے اور باشعور لوگ آگے آئیں تو اچھے کام کریں۔۔

سوال: قسمت پر کتنا یقین ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں اگر انسان دیانت داری کے ساتھ محنت کرے اور دوسروں کا خیال رکھے تو اللہ تعالی آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔

سوال: زندگی کے لمبے سفر میں کبھی مایوسی ہوئی؟

جواب: مشکل سے مشکل وقت میں بھی کبھی پریشان یا مایوس نہیں ہوا۔۔ ہمیشہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا پوری

ہمارے ہاں بہت اچھی کوششیں سیاست کی نذر ہو گئیں

محنت کی پوری دیانت داری سے کام کیا تو اللہ تعالی نے ہمیشہ برکت ڈالی، اگر کوئی مشکل بنی تو ہمیشہ اللہ تعالی کی ذات کو یاد کیا ہے اور اللہ تعالٰی میں ہر مرحلے پر مدد کی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ بہت سے یتیم بچے ہیں اور بہت سے ضرورت مند ہیں، جن کی مالی امداد کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ کرنا تو سب کچھ اللہ تعالی کی ذات نے ہوتا ہے، بندر تو بس وسیلہ بنتا ہے اور اللہ تعالٰی سے ہمیشہ دعا کرتا ہوں اللہ تعالٰی اپنے حبیب کے صدقے ہمیں وسیلہ بنائے رکھے اور ہم دوسروں کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔

سوال: آپ جو کرنا چاہتے تھے کر چکے ہیں یا کچھ اور بھی کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: میں اس وقت جہاں پر ہوں، اور جو کر رہا ہوں اللہ تعالٰی کی ذات کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ تعالی نے مجھے بہت زیادہ نوازا ہے میں آج جس مقام پر ہوں اس کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اللہ تعالی نے مجھے میری سوچ میری اوقات سے زیادہ دیا ہے۔ ، یہی وجہ ہے۔ اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے کرنے کے لئے سوچتا اور کوشش کرتا رہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ تعالی مجھے مزید ہمت دے اور میری اس عاجزانہ کوشش کو قبول فرمائے۔

سوال: اس سے مزید آگے جانے کا بھی سوچتے ہیں؟

جواب: یہ تو اللہ کی کی ذات ہے جو رستہ بناتی ہے اور آدمی کو شعور دیتی ہے، انسان کچھ نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالی کی ذات ہے جو راستے کھولتی ہے اور انسان کو نئے راستے بتاتی ہے وہی انسان کو بتاتی ہے کون سا راستہ نیکی کا ہے اور یہ راستہ برائی کا ہے جب انسان نیکی اور اچھائی کے رستے پر چلے گا تو اللہ تعالی اس کے لیے مزید راستے کھول کر دیتا ہے یہاں تک سب کچھ اللہ تعالی کی ذات ہی کرتی ہے اگر میں کہوں یہ سارا کچھ میرا کارنامہ ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کی رحمت اور مہربانی سے کر رہا ہوں اگر اس کی رحمت اور مہربانی شامل حال رہے گی تو سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا اور نئے راستے بنتے رہیں گے۔

شادی مبارک

عمان میں مقیم معروف کاروباری شخصیت اور پاکستان سوشل کلب کے سابق ڈایئریکٹر چودھری محمد الیاس کے صاحبزادے فہد الیاس کی تقریب شادی میں شریک سید فیاض علی شاہ، میاں محمد ریاض، میاں محمد منیر، سابق سفارتکار چودھری شوکت، سابق سفیر امین اللہ رئیسانی، چودھری محمد اسلم، چودھری محمد عباس، محمد علی فضل، غلام مرتضی قادری، اختر سلیم، صوبائی وزیر خوراک بلال لیٰسین، ممبر صوبائی اسمبلی ماجد ظہور، سابق مشیر گورنر پنجاب فرح محمود شاہ، ڈی آئی جی شاہد جاوید، ایس ایس پی ملک مشتاق، ڈی ایس پی آصف کمانڈو، طارق ثنا باجوہ، وہاب ریاض، باؤ بشیر، میاں امجد حسین بلو، آصف کمانڈو، معروف نعت خواں مرغوب ہمدانی، محبوب ہمدانی اور جاوید اقبال بیگ

لاہور میں پاک رشیا فورم کا ''امن مشاعرہ''

پاک رشیا فورم کے زیر اہتمام پاکستان اور رشیا کے سفارتی تعلقات کے 70 سال مکمل ہونے پر ''امن مشاعرہ'' کے نام سے شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب کی صدارت پاک رشیا فورم کے صدر اور معروف اسکالر و شاعر ڈاکٹر افتخار بخاری نے کی۔ روسی سفیر اے، وائی دیدوف مہمان خصوصی تھے، جبکہ حسن شہزاد مہمان خصوصی تھے۔ محفل مشاعرہ میں فرحت عباس شاہ، افضل ساحر، فرحت پروین، حکیم سلیم، ڈاکٹر صغریٰ صدف، روبینہ راجپوت، آفتاب جاوید، گل سلطان، ممتاز راشد لاہوری، پرین فنا، فاخرہ انجم، راجہ نیئر اور غافر شہزاد نے اپنا کلام سنایا۔ ڈاکٹر نجم بٹ ترنم کے ساتھ پوشکن کی نظم سنائی۔ روسی سفیر کو راجا ئیر کی بنائی ہوئی پینٹنگ پیش کی گئی۔ خواجہ آصف، شفیق احمد فیاض اور کلیم احمد نے اس تقریب کے انعقاد کو سراہا۔

بزم عامل پاکستان لاہور کی محفل شاعرہ

بزم عامل پاکستان لاہور کے زیراہتمام خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے منعقدہ ادبی بیٹھک میں منعقدہ محفل۔
مشاعرہ میں بیاجی، محترمہ شہناز مزمل، زبیح اللہ بلگن صاحب، سلیم اختر صاحب، تاثیر نقوی صاحب اور راقم شریک ہیں۔

عشق لہر پریا اور صوفی سنگت کے زیراہتمام منعقدہ ''عشق لہر میلہ'' کے شرکا۔

روزگار کی مصروفیات نے سیاست سے دُور کر دیا

بہادر علی بلوچ قطر میں مقیم پاکستانی بزنس مین

غرباء کی ویلفیئر کے لیے فلاحی ٹرسٹ قائم کرنا چاہتا ہوں

بہادر علی بلوچ کا تعلق ماموں کانجن، تاندلیانوالہ، فیصل آباد پاکستان سے ہے۔ وہ تقریباً 13 سال سے بسلسلہ روزگار قطر میں مقیم ہیں۔ قطر میں ان کا اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ''ڈیسکون'' کے ساتھ بھی وابستہ ہیں۔ اس حوالے سے وہ قطر کے علاوہ عمان، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب اور بحرین بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں وہ کاروباری دورے پر عمان آئے تو ان سے ایک ملاقات کے دوران تفصیلی گفتگو ہوئی۔

بہادر علی بلوچ کا کہنا ہے کہ انہوں نے سی ایس ایس کا امتحان ڈگری کالج کمالیہ سے پاس کیا۔ اس کے علاوہ اپنے مخصوص شعبے گیس اینڈ آئل کے حوالے سے مختلف تربیتی کورس پاس کیے۔ اسے آپ انٹرنیشنل ٹریننگ بھی کہہ سکتے ہیں اور پھر بسلسلہ روزگار قطر چلا آیا۔ گلف میں طویل عرصے سے مقیم ہوں۔ اب تو یہاں سے اتنی اُنسیت ہو گئی ہے کہ یہ علاقہ بھی اپنا وطن ہی محسوس ہونے لگا ہے۔ عرب ممالک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے لوگ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ دوسرا یہاں پر مکمل طور پر امن وامان ہیں۔ آپ کو کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہیں ہے۔

بہادر علی بلوچ کا کہنا ہے کہ انہیں سیاست سے خاصی دلچسپی رہی ہے۔ وہ اپنے علاقے کی زکوٰۃ وعشر کمیٹی کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔ یہ ذمہ داری انہوں نے دو سال تک نبھائی۔ پھر جب بسلسلہ روزگار بیرون ملک آنا پڑا تو سیاست سے ناطہ ٹوٹ گیا مگر اپنے لوگوں سے اب بھی رابطہ ہے اور اپنی بساط کے مطابق یہاں رہ کر بھی اپنے علاقے کے لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ جتنا عرصہ بھی سیاست کی وہ ایک پلیٹ فارم سے کی۔ ہمارے علاقے میں نون لیگ کو ہمیشہ برتری حاصل رہی ہے۔ ہمارے علاقے میں بلوچ قوم آباد ہے، یہی وجہ ہے کسی دوسری کا کوئی ایم پی اے یا ایم این اے منتخب نہیں ہوا۔ بلوچ قوم کی خوبی یہ ہے کہ یہ دوستی اور دُشمنی نبھانے والی قوم ہے، یہ وعدہ کر کے ساتھ نہیں چھوڑتے، گو کہ تعلیم عام ہونے سے کلچر تبدیل ہو رہا ہے مگر ہماری قدیم روایت آج بھی برقرار ہے۔ بلوچ تعلیمی حوالے سے بھی ترقی کر رہے ہیں اور اپنی علمی صلاحیت کے سبب پاکستان کے ہر سرکاری اور غیر سرکاری ادارے میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بہادر علی بلوچ کا کہنا ہے کہ وہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں اور ایسا ادارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے مستقل طور پر کام کرے، انشاء اللہ ویلفیئر ٹرسٹ کی بنیاد میں اپنے شہر میں یونین کونسل کی سطح پر رکھوں گا اور پھر اسے تحصیل اور ضلع کی سطح تک لے جاؤں گا۔ اس کے ذریعے غرباء کو بلاتفریق ہر طرح کی مدد ملے گی۔ میں کالج کی سطح پر بھی غریب طلبہ کے لیے امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیتا رہا ہوں۔

> هم سب کو مل کر وطن کے لیے کام کرنا ہوگا، عرب ممالک میں امن اور سکون ہے

بہادر علی بلوچ کا کہنا ہے کہ پاکستان کی ترقی کے لیے تعلیم کا فروغ، منشیات اور دہشت گردی کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ پاکستان آہستہ آہستہ ترقی کی منزل کی طرف گامزن ہے۔ ہم سب کلمہ گو مسلمان ہیں، ہمیں مل جل کر ملکی ترقی کے لیے کام کرنا ہوگا۔ یہ سوشل میڈیا کا دور ہے۔ سوشل میڈیا اچھا بھی ہے اور بُرا بھی۔ ہمیں اس کی اچھائی کو استعمال کر کے تعلیم اور مثبت سوچ کے فروغ کے لیے استعمال کرنا ہوگا اور اپنے وطن کو ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑا کرنا ہوگا۔

مسقط میں یوم پاکستان کی تقریب

پاکستان سوشل کلب کے یوتھ ٹیلنٹ ونگ کے زیر اہتمام ''یوم پاکستان'' کی تقریب کے شرکاء۔

پاکستان ائیر لائنز (پی آئی اے) مسقط عمان آفس میں منعقدہ یوم پاکستان کی تقریب کے شرکاء

مسقط فیسٹیول

پاکستان سوشل کلب کے زیر اہتمام مسقط فیسٹیول میں پاکستان پویلین قائم کیا گیا۔جس میں پاکستان قومی اور علاقائی ثقافت کے حوالے سے سٹالز لگائے گئے۔ساتھ ساتھ ثقافتی پروگرامز بھی پیش کئے گئے۔ذیل میں اس پروگرام کی تصویری جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔

Punjab
adidas
Punjab
2018

گلوبل آرٹ اینڈ کلچرل فیسٹیول

مسقط، عمان میں گلوبل کمیونٹی کے زیر اہتمام گلوبل آرٹ اینڈ کلچرل فیسٹیول کا انعقاد کیا گیا۔ جس کا افتتاح السیّد سعید بن سلطان البوسعیدی اور انجینئر رضا جمعہ الصالح نے کیا۔ فیسٹیول میں آرٹ اینڈ کرافٹس کے ساتھ دیگر فنون کی نمائش کی گئی۔ فیسٹیول میں پاکستان سوشل کلب اور پاکستان سکولز سمیت ہر طبقۂ فکر کی شخصیات سمیت المرھون فیملی کے شیخ عبداللہ المرھون، شیخ صالح احمد المرھون اور شیخ محمد حامد المرھون نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ گلوبل کمیونیکیشن کے فاؤنڈر اور صدر مجاہد علی فضل ہیں۔

Arts & Culture Festival

CCE

عمان

تھوبی والی بال ٹورنامنٹ

معبیلہ صناعیہ ۴ مسقط میں ''تھوبی والی بال ٹورنامنٹ'' کا انعقاد کیا گیا۔ مہمان خصوصی سید ذوالقرنین شاہ، مہر امتیاز، محمد آصف، تنویر حسین چٹھہ اور ملک وقار اعوان تھے۔ جب کہ آرگنائزنگ کمیٹی میں ملک منیر، زوار غلام اصغر اعوان، حافظ ممتاز، عرفان اصغر، شفقت اعوان، خرم چٹھہ اور یٰسین شامل تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں مظہر کلب، معبیلہ کلب، کھرل کلب اور ملک کلب جیل کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

معبیلہ صناعیہ میں شوٹنگ والی بال ٹورنامنٹ ۳ کا انعقاد کیا گیا۔ مہمانان خصوصی سید ذوالقرنین اور ملک زوار اصغر اعوان تھے۔ ٹورنامنٹ میں صیب کلب، موالح کلب اور معبیلہ کلب کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

معبیلہ صناعیہ ۴ مسقط میں ''تھوبی والی بال ٹورنامنٹ'' کا انعقاد کیا گیا۔ مہمان خصوصی سید ذوالقرنین شاہ، مہر امتیاز، محمد آصف، تنویر حسین چٹھہ اور ملک وقار اعوان تھے۔ جب کہ آرگنائزنگ کمیٹی میں ملک منیر، زوار غلام اصغر اعوان، حافظ ممتاز، عرفان اصغر، شفقت اعوان، خرم چٹھہ اور یٰسین شامل تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں مظہر کلب، معبیلہ کلب، کھرل کلب اور ملک کلب جیل کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

معبیلہ صناعیہ میں شوٹنگ والی بال ٹورنامنٹ ۳ کا انعقاد کیا گیا۔ مہمانانِ خصوصی سید ذوالقرنین اور ملک زوار اصغر اعوان تھے۔ ٹورنامنٹ میں صیب کلب، موالح کلب اور معبیلہ کلب کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

معبیلہ صناعیہ ۴ مسقط میں ''تھوبی والی بال ٹورنامنٹ'' کا انعقاد کیا گیا۔ مہمان خصوصی سید ذوالقرنین شاہ، مہر امتیاز، محمد آصف، تنویر حسین چٹھہ اور ملک وقار اعوان تھے۔ جب کہ آرگنائزنگ کمیٹی میں ملک منیر، زوار غلام اصغر اعوان، حافظ ممتاز، عرفان اصغر، شفقت اعوان، خرم چٹھہ اور یٰسین شامل تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں مظہر کلب، معبیلہ کلب، کھرل کلب اور ملک کلب جیل کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

مسقط۔ عمان جاپان میں مقیم اردو سفر نامہ نگار اور صحافی ناصر ناکاگاوا کے اعزاز میں عشائیہ

پاکستان سوشل کلب عمان کے لٹریری ونگ کی طرف سے جاپان سے آئے ہوئے مشہور کالم نگار و ادیب ناصر ناکاگاوا کے اعزاز میں عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔
جس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور نظامت کے فرائض احمد شہزاد نے خوش اسلوبی سے ادا کیے۔ ناصر ناکاگاوا پچھلے تیس سال سے جاپان میں مقیم ہیں ان کے اب تک تین سفر نامے شائع ہو چکے ہیں۔ ''دیس بنا پردیس،'' دنیا میری نظر میں'' اور'' دیس دیس کا سفر''۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جاپان انٹرنیشنل ایسوسی ایشن کے صدر، آن لائن اخبار اردو نیٹ جاپان کے ایڈیٹر ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستانیوں اور دیگر ایشائی افراد کے لیے جاپانی عدالتوں اور دیگر اداروں میں مترجم کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔
اس عشائیہ کی خاص بات جو طویل عرصے تک یاد رکھی جائے گی وہ ناصر ناکاگاوا کی طنز و مزاح سے بھرپور گفتگو تھی جس نے سامعین کو خاصہ محظوظ کیا اور آخر میں جب انہوں اپنی آپ بیتی پیش کی تو کوئی آنکھ بھی اشک بار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔
اس عشائیہ میں سفارت خانہ پاکستان کے ڈیفنس اتاشی کیپٹن رضوان اور آفیسر ڈاکٹر نوید عاطف اور چیرمین پاکستان سوشل کلب عمان میاں محمد منیر نے خصوصی شرکت کی۔
اس کے ساتھ ساتھ جنرل سکریٹری زعیم اختر، ڈائریکٹرز چوہدری عباس، عبدالرحمان گلو، محمد علی فضل، سابق سینئر ڈائریکٹر چوہدری الیاس، ڈاکٹر شارب، پاکستان اسکول مسقط کے وائس چیئر مین فرحان غفور، سابق چیئر مین شبیر احمد ندیم، محمد رضوان، چوہدری اصغر، کاشف زعیم، کلیم اختر، محمد نسیم، عدیل، عابد مغل، عمران اسد، عمران فضل، مظہر، قمر ریاض، شکیل شہاب،، سید سجاد کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں کاروباری اور سماجی شخصیات نے بھی شرکت کی۔
چیئر مین میاں محمد منیر، ہیڈ لٹریری ونگ ناصر معروف اور پاکستان سوشل کلب کے تمام ڈائریکٹرز کی طرف سے ناصر ناکاگاوا کو توصیفی سند اور شیلڈ پیش کی۔
آخر میں ناصر ناکاگاوا نے تمام عہدے داروں کو اپنی نئی کتاب سفر دیس دیس کا پیش کی اور اتنے کم وقت میں اتنی اچھی تقریب کا انعقاد کرنے پر لٹریری ونگ ہیڈ ناصر معروف اور پاکستان سوشل کلب عمان کے تمام ڈائریکٹرز اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

حادثاتی طور پر عمان آیا
اور یہیں کا ہو کر رہ گیا
راجہ اشرف
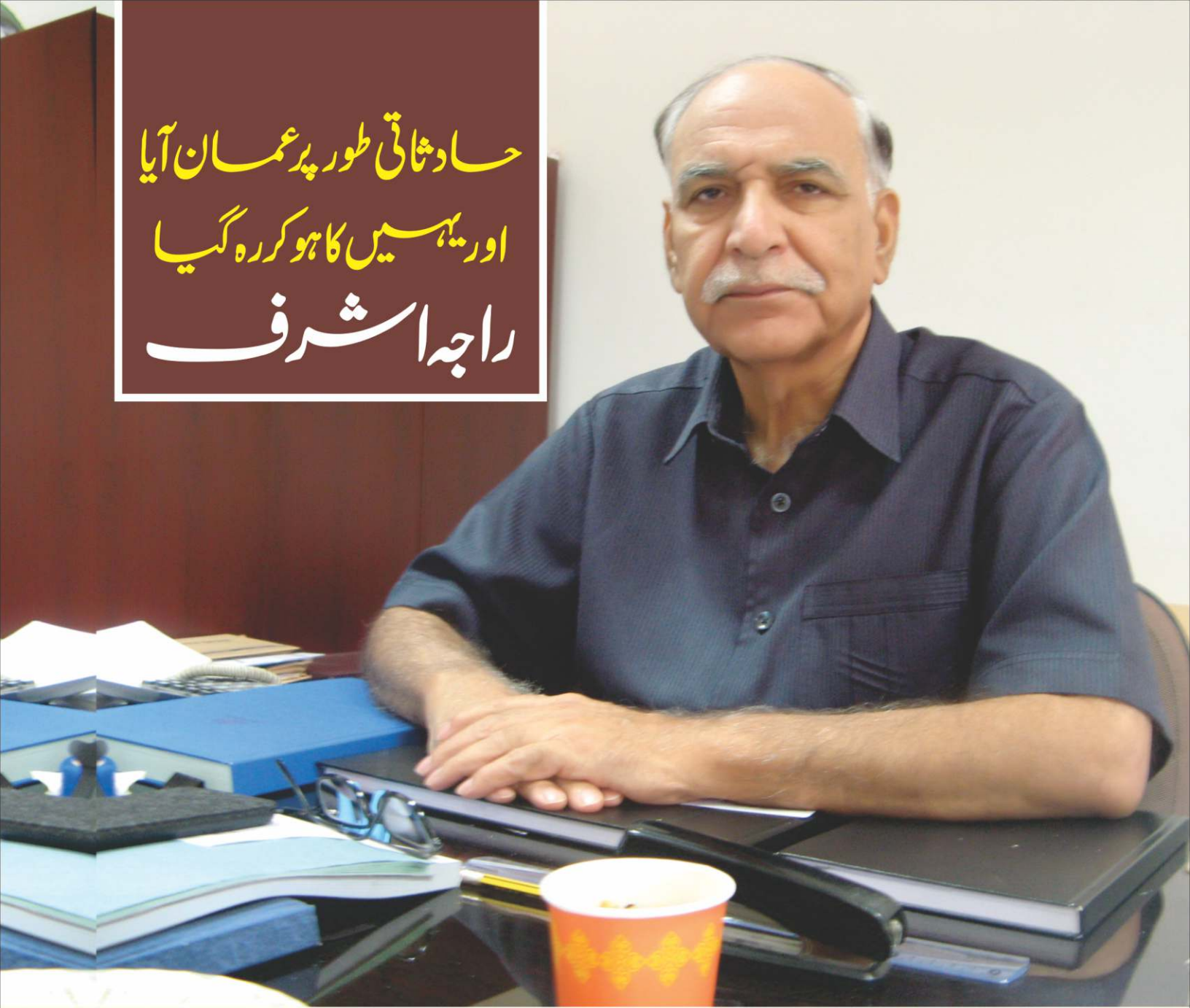
راجہ محمد اشرف عمان کے شہر صلالہ میں مقیم ہیں۔ بنیادی طور پر اکاؤنٹینسی کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ ساتھ ساتھ ٹرانسپورٹ کا بزنس بھی کر رہے ہیں۔ راجہ صاحب کی شخصیت کی سب سے بڑی خوبی پاکستانی کمیونٹی کے لئے ان کی خدمات ہیں۔ تعلیمی مسائل کے حل کرنے سے لے کر عام آدمی کو درپیش مشکلات کے سلسلے میں ہر قسم کی مدد فراہم کرنے کے لئے، ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہیں۔ وہ انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔ ایک مخلص پاکستانی کی حیثیت سے وہ ملک کے سیاسی اور سماجی مسائل کا گہرا ادراک رکھتے ہیں اور اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو کی روانی سننے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ گزشتہ سفر عمان کے دوران ان سے ملاقات ہوئی تو مختلف حوالوں سے گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ ذیل میں اس گفتگو کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

سوال: پاکستانی کمیونٹی کو عمان میں کن مسائل کا سامنا ہے؟

جواب: ہمیں یہاں پر کوئی خاص مسائل کا سامنا نہیں یہ پرامن ملک ہے۔ بچوں کے لئے جو یہاں پر سکول ہے، وہ پاکستان فیڈرل بورڈ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کے ذریعے ہمارے بچوں کے تعلیمی مسائل حل ہوتے ہیں۔

سوال: مگر انٹرمیڈیٹ اور گریجوایشن کے بعد کوئی تعلیمی سہولت نہیں ہے؟

جواب: یہاں پر جتنے بھی انٹرنیشنل تعلیمی انسٹی ٹیوٹ ہیں انہیں گریجویشن اور ماسٹر لیول کی تعلیم دینے کے اجازت نہیں ہے، اس کے بعد کالجز ہیں اور یونیورسٹی لیول کا سارا انتظام عمانیوں کا اپنا ہے۔

نجی سطح پر بیکن ہاوس کا تعلیمی ادارہ یہاں پر قائم ہوا ہے اور وہ کامیابی سے کام بھی کر رہا ہے۔ یہاں پر علمی، تعلیمی اور مذہبی حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، رواداری کا ماحول ہے، سرکاری سرپرستی میں خوبصورت مساجد کی تعمیر ہوتی ہے، ابتدائی دور میں صلالہ میں ایک پاکستانی مسجد تعمیر ہوئی تھی اسے شفیع نامی ایک پاکستانی نے تعمیر کرایا تھا انکا یہاں پر جیولری کے حوالے سے کاروبار تھا۔ بعدازاں چاچا شفیع کا انتقال ہوگیا۔ اور کچھ عرصہ بعد وہ مسجد حکومت کی نگرانی میں کام کرنے لگی۔ اس کے باوجود یہاں پر کسی قسم کی فرقہ وارانہ تقسیم نہیں ہے۔ حکومت عمان، عوام اور دنیا بھر کی ملٹی نیشنل کمیونٹی کے لوگ یہاں امن اور سکون کے ساتھ رہتے ہیں۔ عمان کا دنیا کے سب سے پرامن ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اسلامی ملک ہونے کے سبب یہاں پر اسلامی روایات کی اہمیت ہے، کسی قسم کی فرقہ واریت نہیں ہے سب کو اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی ہے مذہبی حوالے سے کوئی کسی پر تنقید نہیں کرسکتا۔

سوال: آپ عمان کب آئے؟

جواب: عمان میں زیادہ تر پاکستانی ۱۹۷۱ کے بعد آئے ہیں۔ پرانا مسقط وال سٹی تھا۔ شہر کے چاروں طرف دیوار تھی۔ لوگ شام کے بعد باہر نہیں نکل سکتے تھے، کبھی آپ پرانے مسقط کی طرف جائیں تو ماضی کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔ میں مسقط میں ۱۹۷۹ میں آیا۔ میں نے ہیلے کالج لاہور سے بی کام کیا۔ انٹرمیڈیٹ میں نے اسلامیہ کالج آف کامرس سے کیا۔ میرا عمان آنا بالکل حادثاتی تھا۔

عمان محبت اور امن کی سرزمین ہے

یہاں اسلامی روایات کو اہمیت دی جاتی ہے

بی کام کرنے کے بعد چارٹرا اکاؤنٹینٹ بننے کے لئے میں نے اکاؤنٹینسی کی فرم میں جاب شروع کر دی جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کے دوران ہی آپ کو تجربہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا آپ امتحانی نقطہ نظر سے جو اسائنمنٹ تیار کرنا ہوتی ہے وہ تیار کرتے چلے جاتے ہیں یعنی تعلیم اور روزگار دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اکاؤنٹینسی فرم کے ساتھ جیسے ہی میرا ایگریمینٹ ختم ہوا تو میں نے نشاط ملز جوائن کر لی۔ میں نے ایک سال تک نشاط مل میں کام کیا اس کے بعد میرے ایک دوست نے بتایا کہ میں نے عمان میں ایک آڈٹ فرم قائم کی ہے اور مجھے آفر کی کہ آپ ایک سال کے لئے وہاں آجائیں اگر ایک سال میں وہ آڈٹ فرم چل جاتی ہے یا کامیاب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ واپس پاکستان آ جائیں گے اور دوبارہ جاب کر لیں گے۔ چنانچہ میں عمان چلا آیا۔ حالانکہ اس وقت ہمارے پاس اچھے کلائنٹس تھے۔ جن میں پی ٹی وی، فلیٹز، پی ٹی ڈی سی، یوٹیلٹی سٹورز کے علاوہ ٹیکسٹائل انڈسٹریز اور شوگر ملز کے بہت سے ادارے تھے، جن کے آڈٹ کا کام کرتے تھے۔ جاب عمان آیا تو ہمیں کامیابی ملی پھر ٹائم فریم چھ ماہ کیلئے بڑھا دیا گیا، اس دوران میری شادی بھی ہو گئی اور یہاں پر حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔ اس بنا پر میں نے یہیں پر رہنے کا فیصلہ کر لیا یہاں پر مجھے اچھے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا طویل عرصہ تک میں نے جاب کی پھر اپنے کاروبار کی طرف آ گیا۔ بیک وقت تین آڈٹ فرموں کے لئے کام کیا۔ مجھے ایک طویل عرصہ یہاں پر رہتے ہوئے ہو گیا ہے یا یوں کہہ لیں میں نے تو ساری زندگی یہیں بسر کر دی ہے۔ اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کے آپکا پاکستان کہاں ہے تو میں کہتا ہوں یار اتنے طویل عرصے بعد کیا بتاؤں کہ میں کہاں ہوا اور پاکستان کہاں ہے۔ اب تو عمان کو ہی اپنا وطن سمجھتے ہیں ہمارا پہلا وطن بھی یہ ہے اور دوسرا وطن بھی یہی ہے۔ بنیادی طور پر تو ہم پاکستانی ہی ہیں مگر طویل عرصہ تک یہاں رہنے کے سبب فزیکلی عمانی ہو چکے ہیں، جبکہ روح پاکستانی ہے۔

آج کے حالات کو دیکھا جائے تو تو پورے گلف میں ا یک جیسی صورت حال ہے یعنی مہنگائی کا سامنا ہے، کاروبار کا حجم کم ہو چکا ہے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں ماضی کی نسبت آج کاروبار آدھا رہ گیا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ آئل کرائسز یعنی تیل کا عالمی بحران ہے۔ آج صلالہ سے مسقط تک ٹرانسپورٹ کا جو کرایا ہے اس سے ایک ٹرانسپورٹر اپنے اخراجات بھی پورے نہیں کر سکتا۔ جب ٹرانسپورٹ کا کاروبار متاثر ہو جائے، پہیے کی رفتار گم ہو جائے تو یقینی طور پر دوسرے کاروبار بھی متاثر ہوتے ہیں۔ کاروباری بحران کا بڑا اسبب یہی صورت حال ہے

جسمانی طور پر عمانی اور روحانی طور پاکستانی ہیں
کاروباری مسائل عارضی ہیں، حالات ٹھیک ہو جائیں گے

سوال: جو نئے لوگ کاروبار کی طرف آ رہے ہیں تو پھر ان کا تو کوئی مستقبل نہیں ہے؟

جواب: جی بالکل نہیں ہے اب بہت سے کاروباری اداروں نے اپنے ملازمین کم کرنے شروع کر دیے ہیں۔ کاروباری ادارے اپنے اخراجات کم کرتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف تیل کی قیمتیں بڑھا کر اور تعلیمی فیسیں زیادہ کر کے شارٹ فال کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے عمان حکومت کی اچھی پالیسیوں کے سبب کسی بھی قسم کی منفی صورتحال کے مرتب ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ مندی کا جو وقت اب چل رہا ہے یہ بھی عارضی ہوگا اور مستقبل میں حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے جائینگے۔ اس وقت جو لوگ کاروبار کر رہے ہیں ان کے حالات قدرے بہتر ہیں مگر ملازمت پیشہ افراد کو مشکلات کا سامنا ہے۔ اگر یہ مشکلات کم نہیں ہوتیں تو مستقبل میں ہوسکتا ہے انہیں وطن واپس جانا پڑے۔ بہت سے ملازمین موجودہ حالات میں بھی پاکستان واپس چلے گئے ہیں۔ کچھ اسی حوالے سے سوچ رہے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں ان حالات میں مستقل مزاج اور جدو جہد کرنے والے ہی سروائیو کر پائیں گے۔ جہاں تک انفرادی صوتحال کا تعلق ہے۔ لوگ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جو لوگ پاکستان واپس جا کر کوئی کاروبار کرنا چاہتے ہیں وہ اس بات سے بھی خائف ہیں کہ وہاں پر سیاسی حالات مستحکم نہیں ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آتی کے اگر وہ وہاں سرمایہ کاری کرتے ہیں تو انہیں کتنا تحفظ ملے گا۔ ان کی رقم کہیں ڈوب تو نہیں جائے گی۔ اس کے علاوہ وہاں پر یعنی پاکستان میں جو لوگ کاروباری طور پر مستحکم ہیں وہ بھی دوسروں کو یا باہر سے آنے والوں کو سپیس دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کرئسز والے حالات صرف گلف ایریا میں وہ گرنہ، جو لوگ یورپ یا امریکہ میں کاروبار کر رہے ہیں انہیں ایسے مسائل کا سامنا نہیں ہے۔ آئل کرائسز پیدا ہونے سے ان لوگوں کو فائدہ ہوا ہے جو آئل خریدتے ہیں۔ اور بیچنے والوں کو نقصان ہوا ہے۔ گلف چونکہ تیل بیچنے والا خطہ ہے، اس لیے انہیں ایسے مسائل کا سامنا ہے۔ یورپ یا امریکہ کو ایسے مسائل کا سامنا نہیں ہے۔

پردیس میں دل اپنوں کیلئے تڑپتا ہے

میاں ریاست علی بلوچ

سوال: پاکستان سوشل کلب کی سیاست کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب: پاکستان سوشل کلب نے پابندی لگا رکھی ہے کے جس کے پاس کلب کا کارڈ ہوگا وہی ووٹ کاسٹ کر سکے گا۔ میرے خیال میں یہ پابندی غلط ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ اسے پاکستانی ہی نہیں مانتے، جس کے پاس پاکستان سوشل کلب کا کارڈ نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کے جس کے پاس پاکستان کا پاسپورٹ ہے وہ پاکستانی ہیں اور کلب کے الیکشن میں ووٹ کاسٹ کرسکتا ہے۔

سوال: آپ جس تنظیم کے ممبر نہیں ہیں۔ اس کے قوانین کو مانتے نہیں ہیں تو پھر آپ ووٹ کاسٹ کرنے کا حق کیسے رکھتے ہیں؟

جواب: آپ کی بات ٹھیک ہے مگر میرے خیال میں سیاسی تنظیم اور کمیونیٹی ویلفیئر تنظیم میں فرق ہوتا ہے ..۔ حکومتی منظوری کے ساتھ چلنے والی سیاسی جماعتیں اپنے قوانین بناتی ہیں اور اس کے اراکین ان پابندیوں کے ساتھ چلتے ہیں مگر فلاحی تنظیمیں یا کمیونٹی آرگنائزیشن پبلک پراپرٹی ہوتی ہیں اس لیے ہر شخص بلا رکاوٹ ان کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی کارڈ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہونی چاہیے. ۔ پاکستان سوشل کلب کو محدود رکھا گیا ہے۔ یہاں پر عام آدمی کو پتہ ہی نہیں ہے۔ کہ سوشل کلب کے نام سے پاکستانیوں کی کوئی تنظیم ہے بھی یا نہیں۔

سوال: یہاں عام پاکستانی تو اخبار ہی نہیں پڑھتا ہے تو اسے کیسے پتا چلے گا کے سوشل کلب کیا ہے اور کہاں ہے اور اسکی سرگرمیاں کیا ہیں؟

جواب: اس وقت عمان میں پونے تین لاکھ پاکستانی رہائش پذیر ہیں۔ ان میں سے صرف پانچ فیصد، ہوسکتا ہے اس سے بھی کم ہوں جو پاکستان سوشل کلب کے ممبرز ہیں۔ مجھے باطنا ریجن میں رہتے ہوئے طویل عرصہ ہوگیا ہے اور اب پتہ چلا ہے کی یہاں پر پاکستان سوشل کلب کے حوالے سے کوئی تنظیم کام کرتی ہے اور فلاں صاحب اسکو لیڈ کرتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے تو عام مزدور کا کیا حال ہوگا۔ دوسرا یہاں پر اگر اس تنظیم کی کوئی ذیلی شاخ کام کر بھی رہی ہے، تو پتہ نہیں چلتا وہ کہاں ہے۔ اس کا رابطہ نمبر کیا ہے اور جو صاحب اسے لیڈ کرتے ہیں انہیں کن اوقات میں ملا جا سکتا ہے۔ اگر سوشل کلب نے سیاست نہیں کرنی ہے اور کمیونٹی کی فلاح کے لئے کام کرنا ہے تو اسے ایسا نظام وضع کرنا

ہوگا،،جس کے تحت سوشل کلب تک عام آدمی پہنچ سکے اور عام آدمی کو معلوم ہو کہ اگر وہ رابطہ کرے گا تو اس کے مسائل ہل ہو جائیں گے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر پاکستان سوشل کلب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔پاکستان سوشل کلب کو اپنی کمیونٹی کے لئے تعلیم اور میڈیکل کے شعبے میں کام کرنا چاہیے ۔پورے عمان میں پاکستانیوں کو کسی بھی قسم کی سہولت میسر نہیں ہے۔میرا یہ سوال پاکستانی حکومت، پاکستان ایمبیسی اور پاکستان سوشل کلب سے ہے کہ جو پاکستانی مزدور300یا400ریال مہینے میں کماتا ہے وہ اس میں سے ساٹھ،ستر ہزار روپے اپنے ملک بھیج دیتا ہے۔اس کے پاس تو گزارے کے لئے قلیل رقم بچتی ہے۔اب اگر خدانہ خواستہ اسے کوئی بڑی بیماری یا حادثے کا سامنا کرنا پڑے تو پاکستان سوشل کلب یا پاکستان ایمبیسی نے اس کے علاج کے لیے کیا انتظام کیا ہے۔۔ایک شخص سال بھر میں اپنے ملک کو کثیر زرمبادلہ بھیجتا ہے تو حکومت پاکستان،,پاکستان ایمبیسی اور پاکستان سوشل کلب اس شہری کے لیے کیا کرتے ہیں۔

سوال:آپ کے خیال میں اس کا حل کیا ہے؟

جواب:میرے نزدیک اس کا آسان حل ہے کہ ہر پاکستانی ماہانہ 1 ریال پاکستان سوشل کلب کو دے،ایک ریال کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ہر شخص خوشی سے ادا کرے گا۔اس طرح ماہانہ پونے تین لاکھ ریال پاکستان سوشل کلب کے فنڈ میں جمع ہو جائیں گے یہ اتنی بڑی رقم ہے کے اس سے پاکستانی کمیونٹی ہسپتال اور تعلیم کے شعبے کی بہتری کے لیے کام کیا جا سکتا ہے۔اب ایسا اس لئے نہیں ہو پا رہا کہ سوشل کلب کی قیادت چند لوگوں تک محدود ہو کے گئی ہے،وہ کسی دوسرے کو آگے آنے نہیں دیتے۔خود غرضی کی سیاست کے سبب عام آدمی کی فلاح کے لیے کوئی کام نہیں ہو پا رہا۔

سوال:آپ عمان کب آئے؟

جواب:میں ۲۰۱۱ میں تو عمان آیا تھا۔میرا تعلق فیصل آباد کی تحصیل تاندلیاں والا سے ہے۔عمان میں ہمارا کام سروسز کی فراہمی کا ہے۔ہم یہاں پر کام کرنے والی مختلف کمپنیوں کو ہر طرح کی افرادی قوت فراہم کرتے ہیں ۔جس میں لیبر سے لے کر سیلز مین اور مختلف شعبوں سے متعلقہ افراد شامل ہیں ۔ایک طرح کا ایمپلائمنٹ ایکسچینج جیسا کام ہے۔اس سے پہلے میرا اس کام کا خاصا تجربہ اور مشاہدہ تھا ۔ہم ملٹری اور ٹیکسٹائل کے حوالے سے پاکستان میں اس نوعیت کا کام کر چکے تھے۔اسی تجربے کو آ کر یہاں عمان میں دہرایا ۔میں مختلف انڈسٹریز کے کنٹری ہیڈ سے ملا اور انہیں قائل کیا کہ ہم ان کی سیل میں اضافہ کر سکتے ہیں اگر ان کی سیل 5% چل رہی ہے ہیں تو انکی سیل پندرہ فیصد تک کر سکتے ہیں۔جب ان کی طرف سے مال فراہم کیا گیا تو اپنی مارکیٹنگ ٹیم اور لیبر کے ذریعے ہم نے مارکیٹنگ کی اور الحمد للہ جو ٹارگٹ ملا تھا ہم نے اس سے کہیں بہتر نتائج دئے۔سیل ٹارگٹ پندرہ فی صد سے پچیس فیصد تک لے گئے۔ہمارے پاس کنسٹرکشن لیبر سے لے کر ہر طرح کی مارکیٹنگ ٹیم موجود ہے اور ہم ہر طرح کا کام کر سکتے ہیں۔ مارکیٹ میں لوگ عموما کمیشن پر کام کرتے ہیں لیکن ہم ٹارگٹ لیتے ہیں اور اسے پورا کرتے

☆...... ہم لالچ اور حرص کے پنجرے کے قیدی ہیں۔

☆...... سوشل کلب کی قیادت چند لوگوں تک محدود ہو کے رہ گئی ہے۔

☆...... یہاں پر کام کرنے والے گھر والوں کی اے ٹی ایم مشین بن جاتے ہیں۔

☆...... ایسے مزدور بھی جو پانچ پانچ سال تک گھر نہیں جا سکتے۔

☆...... عام پاکستانی سوشل کلب کے نام سے بھی واقف نہیں۔

ہیں۔ ہماری کامیابی کی وجہ بھی یہی ہے ہمارے پاس اس وقت370 سے زیادہ پاکستانی کام کر رہے ہیں ۔اس کے علاوہ اپنی ٹرانسپورٹ بھی ہے۔پٹرول کرائسس کی وجہ سے ہمارا کام بھی متاثر ہوا ہے مگر اللہ کا شکر ہے ہم اپنی ٹیم کو بروقت تنخواہ دے رہے ہیں۔اس کے علاوہ ہم اینیمل فیڈ کا کام بھی کرتے رہے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ آٹو پارٹس کی سیل اور فراہمی کا کام بھی کرتے خصوصاً ٹریکٹر کے پرزہ جات کی فراہمی کرتے ہیں۔

سوال:آپ سیاست میں کیوں نہیں آئے؟

جواب: جان بوجھ کر سیاست میں نہیں آیا،سیاست میں ہر وقت جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور جھوٹ بولنا مجھے پسند نہیں ہے۔

سوال: ہوسکتا ہے آپکے سیاست میں آنے سے سچ کا بول بالا ہو جائے؟

جواب: آپ کی بات درست ہے ابتدائی طور پر اپنے کاروبار کو مستحکم کرنا مقصود تھا،اللہ کا شکر ہے وہ کر چکے ہیں۔ ابھی مزید کچھ کام کرنا ہے۔وہ بھی ہو جائے تو پھر سیاست کی طرف بھی قدم بڑھائیں گے اپنے ملک کے لیے، انسانیت کی بہتری کے لیے ہم سے جو بن پڑا ہم کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں اگر آپ کے پاس صلاحیت ہے تو آپکو دوسروں کو فائدہ دینا چاہیے۔یہ سوچ میری تمام زندگی رہی ہے،ابھی بھی کاروبار کے ساتھ مجھ سے جو ممکن ہوتا ہے دوسروں کے لیے کرتا ہوں چاہے میرا تھوڑا نقصان ہو اور دوسرے کا فائدہ زیادہ ہو رہا ہوں تو میں تھوڑا اپنا نقصان کر کے بھی قربانی کے لیے تیار جاتا ہوں۔ یہاں پر سیاست میں حصہ لینے کا ارادہ ہے میں یہاں پر پاکستان سوشل کلب کے کام میں بہتری لانے کے لیے سیاست میں حصہ لینا چاہتا ہوں ۔چاہتا ہوں کے پاکستان سوشل کلب کے ذریعے عمان میں بسنے والے پاکستانیوں تک اس کے فوائد پہنچیں 2018ء میں پاکستان سوشل کلب کا جو الیکشن ہوگا وہ سلیکشن نہیں , حقیقت میں الیکشن ہوگا۔ پبلک جنہیں چاہے گی، وہی لوگ قائد کے طور پر آگے آئیں گے۔ پہلے والا سسٹم انتخابی نتائج کی صورت میں ختم ہو جائے گا۔

سوال:یہاں پاکستانی کمیونٹی کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟

جواب: پاکستانیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کے ساتھ ہونے والا دھوکہ ہے ,جو زیادہ تر پاکستانی ہی پاکستانیوں کو دیتے ہیں۔ .ایک مزدور اپنا سارا کچھ بیچ کر عمان آتا ہے اور ہم طے شدہ معاہدے کے مطابق اسے کام نہیں دیتے ہیں نہ اس کا معاوضہ ادا کرتے ہیں نتیجہ کے طور پر وہ

خراب بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی برباد بھی ہو جاتا ہے،ایسے بہت سے معاملات ہیں جو حل ہونے چاہیے مگر کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں ہے جو عام آدمی کے مسائل کو حل کر سکے یا کرا سکے ۔میرے خیال میں پاکستان سوشل کلب کے پلیٹ فارم سے پاکستانیوں کے ہر طرح کے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔دنیا کی کوئی کمیونٹی سمجھدار نہیں ہوتی،ان کے شعور کو ہمیشہ ادارے بہتر کرتے ہیں۔

سوال:پاکستان کی سیاسی صورتحال کے اثرات بیرون ملک مقیم پاکستانیوں پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں؟

جواب:جی بالکل ہوتے ہیں اور ہم وہاں کے حالات کے مطابق اس کے متعلق سوچتے بھی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے حالات بہت اچھے ہیں یہ مزید اچھے ہو سکتے , ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے وہاں کے ایم این اے کے پاس وزیراعظم منتخب کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔وزیر اعظم کا انتخاب عوام کے براہ راست ووٹوں سے ہونا چاہیے ۔اگر وزیراعظم ایم این ایز کے ذریعے منتخب ہوگا تو وہ منتخب ہو کر اپنے ایم این ایز کا ہی خیال رکھے گا عوام کا خیال بالکل نہیں رکھے گا کیونکہ اسے ہمیشہ ایم این ایز کو اپنے ہاتھ میں رکھنا ہوگا اور ان کے ناجائز مطالبات مانتا رہے گا۔

سوال:وطن سے دور رہ کر دیار غیر میں کیا سوچتے ہیں؟

جواب:وطن سے دور رہ کر بھی دل اور روح اپنے ہی وطن میں ہم بھٹکتے ہیں ہم جسمانی طور پر اور کام کے حوالے سے یہاں رہتے ہیں مگر سوچ اور خیالات پاکستان کے بارے میں ہی آتے ہیں.۔یہاں کوئی ہمیں ہمارے نام سے نہیں پکارتا، لوگ ہمیں پاکستانی کہہ کر ہی بلاتے ہیں۔ہم وہاں اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں بیوی بچوں کے ساتھ

یہاں کے ہو گئے ہیں دن رات محنت کرتے ہیں پھر بھی ہم اپنے آپ کو اپنے وطن سے دور محسوس کرتے ہیں۔کوئی خوشی کا موقع ہو عید کا دن تہوار ہو، یہاں رہ کر ہم اپنے یاروں دوستوں اور بہن بھائیوں کو یاد کرتے ہیں ۔یقین کریں اس وقت ہماری آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن بہن بھائیو اور یاروں دوستوں کے ساتھ ہنسی خوشی والے وہ رونق نہیں ہوتی۔دل ان کے لیے ترستا ہیان کے لیے دھڑکتا ہے۔اسی لیے جب موقع ملتا ہے بھاگ کر اپنے وطن جاتے ہیں۔ان سے ملتے ہیں جن کے لیے دل دھڑکتا ہے جن کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔یہاں عمان میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر طرح کے وسائل دیے ہیں،میں سمجھتا ہوں میرے جیسا اس وقت کوئی نہیں ہے ۔جو خواہش کروں پوری ہو جاتی ہے،مگر اس کے باوجود دل پاکستان کے لیے،وطن کے لئے اور اپنے بہن بھائیوں دوستوں کے لئے ترستا بھی ہے اور تڑپتا بھی ہے ۔اسی لیے جب موقع ملتا ہے تو پاکستان کی طرف بھاگتا ہوں۔جب پاکستان جانے کے لیے چھٹی ہوتی ہیں تو کوئی ہمارے دل کی خوشی اور ہمارے اندر خوشی کے جذبات کو نہیں جان سکتا اور جب چھٹیاں ختم ہوتی ہیں اور پھر اپنا وطن چھوڑ کے ادھر آنے کو تیار ہوتے ہیں تو اس وقت بھی کوئی ہمارے دل کو اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کتنا دکھی اور ملول ہے۔ سچی بات کہوں ہم لالچ اور حرص کے پنجرے کے قیدی ہیں اور اس پنجرے میں تڑپ تڑپ کر، سلگ سلگ کر جی رہے ہیں،مگر یہ جینا جینا نہیں ہے، یہاں رہتے ہیں تو لوگ پردیسی کہتے ہیں،اپنے دیس میں جائیں تو گھر والے ہمیں مہمان سمجھتے ہیں ماں پوچھتی ہے بیٹا کیا کھاو گے؟میں کہتا ہوں اماں جو پکا لو وہی کھا لیں گے.۔ ماں کہتی ہے بیٹا تم مہمان ہو،جو کہو گے تمہیں پکا دیں گے ۔جب ماں ہی بیٹے کو مہمان کہہ کر بلائے گی ،تو باقی کیا رہ جائے گا۔دل سلگنے لگتا ہے عجیب سی زندگی ہوگئی ہے اپنے دیس میں بھی مہمان ہیں اور پردیسی ہیں اپنا کون سے ٹھکانا ہے پتہ نہیں چلتا.۔ پردیس بھی سزا ہے۔پنجرہ سونے کا ہو یا چاندی کا، قیدی کے لیے سزا ہی ہوتا ہے۔اللہ پاک ہمارے آنے والی نسلوں کو پردیس میں رہنے کی اس سزا سے محفوظ رکھے.۔ جتنی خوشی پاکستان میں جا کر اور رہ کر ملتی ہے یہاں پر تمام نعمتیں اور سہولیات میسر ہونے کے باوجود خود کو ادھورا محسوس کرتے ہیں.۔ایسے مزدور بھی دیکھے ہیں جو پانچ پانچ سال اپنے گھر نہیں جا سکتے,۔جس کی تنخواہ سو سوا سو ڈیڑھ سو ریال ہوگی ،وہ اپنے اخراجات پورے کر کے اور پیچھے اپنے لوگوں کی ضروریات پوری کر کے، یہاں پر کیا بچت کرے گا کہ وہ گھر جاتے ہوئے اپنوں کے لیے،اپنی ذات کے لئے تھوڑے بہت پیسے لے جائے اور جب تک اس کی جیب میں پیسے نہیں ہوتے وہ گھر جانے کا سوچتا بھی نہیں ہے اور لوگوں کی زندگی کے سالہا سال یہاں پر گزر جاتے ہیں یہاں پر کام کرنے والے مزدور گھر والوں کی اے ٹی ایم مشین بن جاتے ہیں۔ساری زندگی گھر والوں کے مسائل حل کرتے، فرمائشیں پوری کرتے گزر جاتی ہے ۔پردیس ایک میٹھی اور خوبصورت سزا ہے۔

سپین بارسلونا میں ''نوشی گیلانی کے اعزاز میں تقریب

سپین بارسلونا میں معروف شاعرہ نوشی گیلانی کے اعزاز میں ایک تقریب بعنوان ''ایک شام نوشی گیلانی کے نام'' اہتمام کیا گیا۔تقریب کے مہمان خصوصی قائمقام قونصل جنرل عمر عباس میلہ تھے۔

جرمنی۔پی ٹی آئی کشمیر یوتھ ونگ کی ریلی

رانا ثاقب خالد طویل عرصے سے جرمنی کے شہر ڈویڈل میں مقیم ہیں۔ریسٹورنٹ کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ساتھ پی ٹی آئی کشمیر ونگ کے کوآرڈینیٹر بھی ہیں۔اس پلیٹ فارم سے مقبوضہ کشمیر کے مظلوم کشمیریوں کے بھارت کے ظالمانہ سلوک کے خلاف آواز بھی بلند کر رہے ہیں اور تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے انٹرنیشنل سطح پر اپنی آواز پہنچا رہے ہیں۔پی ٹی آئی کے کشمیر یوتھ ونگ کے زیر اہتمام گزشتہ بیرسٹر سلطان محمود کی آمد پر ملین مارچ کیا گیا۔اس طرح 5 فروری یوم یکجہتی کشمیر کے موقع پر منعقدہ پروگرام میں پورے یورپ سے پاکستانیوں نے شرکت کی جن میں ڈنمارک سے سابق ڈپٹی میئر میڈم لبنیٰ اور ہیمبرگ سے انجینئر شفقت شاہین نے خاص طور پر شرکت کی۔

یوم پاکستان پر عوامی تحریک یونان کا ''میری پہچان پاکستان'' سیمینار

محمد منیر طاہر/عنصر اقبال بسرا

یونان کے دارالحکومت ایتھنز میں پاکستان عوامی تحریک یونان کے زیر اہتمام ''میری پہچان پاکستان'' سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کے مہمان خصوصی اور قائم مقام صدر منہاج القران انٹرنیشنل یونان مرزا امجد جان نے کہا کہ وطن عزیز پاکستان لازوال قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا، قائد اعظم کے نقشے قدم پر چلنے کی اشد ضرورت ہے، مملکت خداداد لازوال قربانیوں سے معرض موجودہ میں آیا، جس کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا خون شامل ہے جس کا احترام کرنا ساری پاکستانی قوم پر واجب ہے۔ محمد اسلم چوہدری نے کہا کہ پاکستان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جس کی تکمیل بابائے قوم نے کی اور اس کو سنوارنے کا کام ڈاکٹر طاہر القادری کریں گے۔ ڈاکٹر طاہر القادری قوم کے بہتر مستقبل کے لئے دن رات کوشاں ہیں اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان ان کا ہراول دستہ ہیں۔

صدر پاکستان عوامی تحریک یونان ڈاکٹر عبدالرزاق نے کہا کہ مضبوط پاکستان کے لئے فرسودہ نظام کو تبدیل کرنا ناگزیر ہو چکا ہے ہر محبّ وطن پاکستانی کو ایسا کردار ادا کرنا چاہیے کہ بین الاقوامی سطح پر ہماری عزت ہو اور ملک پاکستان میں عوامی شعور کو بلند کرنے کے لیے پاکستان عوامی تحریک کے قائد کے ویژن کو ہر سطح پر پھیلانا ہوگا۔ دیگر مقررین میں بانی رہنما پی۔ٹی۔آئی یونان راجہ آصف کیانی، صدر، پاک کشمیر ویلفیئر سوسائٹی راجہ محمد زبیر، صدر: پاکستان کیمونٹی یونان چوہدری شاہد نواز وڑائچ، ڈائریکٹر منہاج اسلامک سنٹر مارتھونا صوفی عبیداللہ چشتی، ناظم منہاج القران انٹرنیشنل یونان محمد شاہد بٹ، سابق صدر پاکستان عوامی تحریک یونان چوہدری مدثر خادم سوہل، ڈپٹی آرگنائزر پاکستان عوامی تحریک یونان چوہدری عمران اسلم پسوال شامل تھے۔ معروف شاعر، مصنف، افسانہ نگار، کالم نگار الحاج محمد بشیر شاد اور سینئر صحافی نعیم مرزا نے خوبصورت کلام بسلسلہ یوم پاکستان پیش کیا۔ پروگرام کے اختتام پر علامہ محمد نواز ہزاروی نے پاکستان کی سلامتی سربلندی اور امت مسلمہ کی بحالی کے لیے خصوصی دعا کی۔

ناصر نا کا گاوا کے اعزاز میں تقریب

ریاض شاہد/ بحرین

پاک و ہند کے مشہور شاعر داغ دہلوی کا مشہورِ زمانہ شعر ہے

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے
اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

برسوں پہلے کہا گیا یہ شعر اپنی پوری سچائی کے ساتھ آج اس وقت ثابت ہوا جب پاکستان کلب بحرین میں ''آل پاکستانیز اوورسیز آرگنائزیشن انٹرنیشنل'' نے پاکستانی نژاد جاپانی سیاح، سفرنامہ نگار ادیب اور صحافی ناصر نا کا گاوا کے سفرنامہ ''دیس دیس کا سفر'' کی تقریبِ پذیرائی کا اہتمام کیا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی عزت مآب سعد بن رفیق ویلفیئر اتاشی سفارتخانہ پاکستان برائے بحرین تھے۔ مہمان اعزاز چیئرمین پاکستان کلب بحرین انجینئر ریحان احمد تھے۔

نظامت کے فرائض بحرین کے مشہور و معروف کالم نگار خاکہ نگار اور انشاپرداز جناب خرم عباسی نے باحسنِ تمام ادا کئے۔ تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے جناب سمیع اللہ نے کیا۔ نعتیہ اشعار محترم خرم عباسی نے پیش کئے سپاسنامہ صدر آپو ورلڈ بحرین ریاض شاہد نے پیش کیا۔ چیئرمین پاکستان کلب نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے جناب ناصر نا کا گاوا کی آمد پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ جاپان میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جو پاکستان اور جاپان کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ کتاب کی رونمائی عزت مآب سعد بن رفیق ویلفیئر اتاشی نے کی۔ اس موقع پر جناب ناصر نا کا گاوا کو آپو ورلڈ اور پاکستان کلب کی جانب سے اعزازی شیلڈز سے نوازا گیا۔ جناب ناصر نا کا گاوا نے جاپان کی ثقافت اور رہن سہن کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جاپانی پاکستانیوں کو انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جاپان میں بسنے والے پاکستانیوں نے چند سال قبل آنے والے سونامی کے بعد اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر جاپانیوں کی مدد کے لئے کمر کس لی اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی مالی، اخلاقی اور غذائی معاونت کی۔ جاپان میں تین اردو یونیورسٹیاں ہیں جہاں اردو پڑھائی جاتی ہے جبکہ جاپان سے سالانہ طلباء و طالبات پاکستان میں تعلیم کے حصول کیلئے جاتے ہیں اور اردو سیکھ پڑھ کر ڈگریاں لیکر واپس آتے ہیں۔ ناصر نا کا گاوا کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں پہلی کتاب ''دیس بنا پردیس'' ۲۰۱۳ میں شائع ہوئی ،جس میں ان کے پاکستانی/ جاپانی اخبارات اور مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین شامل ہیں۔ دوسری کتاب ''دنیا میری نظر میں'' جاپانی ادب و ثقافت پر مبنی ۲۰۱۵ میں منظرِ عام پر آئی۔ تیسری کتاب ''دیس دیس کا سفر'' ۲۰۱۷ میں شائع ہوئی ،جس میں سات مختلف ممالک کے سفر کی روداد شامل ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک آن لائن اخبار ''اردو جاپان نیٹ'' بھی چلا رہے ہیں اور جاپان میں تارکین وطن کی قانونی و اخلاقی معاونت بھی کر رہے ہیں۔ حکومت جاپان کے نامزد ترجمان برائے ایشیائی ممالک بھی ہیں۔ جاپان انٹرنیشنل جرنلسٹ ایسوسی ایشن (جیجا) کے صدر بھی ہیں۔

جناب ناصر نا کا گاوا کے اظہارِ خیال کے بعد مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا جو قارئین کی نذر ہے:

اسد اقبال

تمہیں فقط اپنے پیار کی فکر ہے مری جان
مُجھے تو اک اور رشتے کو بھی سنبھالنا ہے
اسد غزل کہنی ہے تو پھر یہ بھی یاد رکھّو
کہ تم نے ہر شعر میں نیا رنگ ڈالنا ہے

سعید سعدی

آپ شعلہ بیاں سہی لیکن
کیا ہمیں بے زباں سمجھتے ہیں
پیار سے بات کر کے دیکھ ذرا
ہم یہی اک زباں سمجھتے ہیں

محمد سمیع اللہ حامد

خلوتوں میں شور ہے تو جلوتوں میں خامشی
کس جگہ لے آیا مجھ کو اضطراب زندگی

جاپان سے کثیر تعداد میں طلبہ اردو سیکھنے جاپان جاتے ہیں

مشکلوں اور راحتوں کے تلخ و شیریں جام میں
موت تک پینی پڑے گی یہ شراب زندگی

ریاض شاہد

اک ترا ملنا کرامت لکھ دیا
ہاں تجھے میں نے محبت لکھ دیا
لوگ کہتے ہیں قیامت موت کو
ہجر کو میں نے قیامت لکھ دیا

اقبال طارق

اوراق پہ افکار سجائے ہیں کسی نے
سوئے ہوئے اذہان جگائے ہیں کسی نے
ہر ایک کو پھولوں کی تمنا ہے یہاں پر
کیا راہ سے پتھر بھی اٹھائے ہیں کسی نے

احمد امیر پاشا

تیری کم گوء کا یوں جشن منایا جائے
دل یہ کرتا ہے کہ اب شور مچایا جائے
شعر لکھتا ہے لکھاتا ہے یا پھر جو کچھ ہے
اس کو پڑھنے کا بھی انداز سکھایا جائے

رخسار ناظم آبادی

کوئی اس سے پوچھے جو گھر کا بڑا ہے
وہ کتنے محاذوں پہ تنہا کھڑا ہے
خود کو کئی مقام پہ خم تو کیا ضرور
لیکن کسی کے رو برو سجدہ نہیں کیا

جاپانی پاکستانیوں کی محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

تقریب کے اختتام پر چیئرمین آپو ورلڈ نے تمام شرکائے محفل کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپو ورلڈ اس وقت دنیا کے ۹۳ ممالک میں پاکستانیوں کی خدمت کے لئے پیش پیش ہے اور فی الحال تارکین وطن کے ایک نکاتی ایجنڈے پر کام کر رہی ہے کہ انہیں ووٹ کا حق دیا جائے جس پر قومی اسمبلی میں بحث ہو رہی ہے اور اس وقت سپریم کورٹ آف پاکستان میں مقدمہ چل رہا ہے۔ علاوہ ازیں حکومتِ پاکستان سے ہمارا مطالبہ ہے قومی اسمبلی میں مخصوص نشستیں دی جائیں تاکہ تارکین وطن کے مسائل حقیقی معنوں میں حل ہوسکیں۔ آخر میں ایک پُر تکلف عشائیے پر ایک خوبصورت تقریب کا اختتام ہوا۔

حلقہ ادب کی شعری نشست

رپورٹ: احمد امیر پاشا

پاکستان اردو سوسائٹی ''حلقہء ادب'' بحرین کی علمی ادبی خدمات کا سلسلہ دو دہائیوں پر محیط ہے، تاہم گزشتہ دنوں بحرین کی فعال ادبی تنظیم نے اپنے تنظیمی معاملات کی تجدید نو اور اس کی سرگرمیوں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے حوالے سے مشاورت کا عمل شروع کیا اور یوں نئے تنظیمی ڈھانچے کا عمل قیام پذیر ہوا۔ اور یوں مورخہ 15 فروری 2018 کو ایک ادبی نشست کا اہتمام "ہمالہ" حمد ٹاؤن بحرین میں ایک ریسٹورنٹ کے بالائی ہال میں کیا۔ اس نشست کی صدارت بحرین میں موجود نامور اسکالر اور نقاد جناب ڈاکٹر شعیب نگرامی نے کی، جبکہ مہمانِ خصوصی بحرین کی معروف ادبی شخصیت اور معروف ادبی تنظیم مجلس فخر بحرین کے سرپرست اعلی جناب شکیل احمد صبر حدی نے کی، جبکہ مہمانِ اعزاز کی نشستوں پر چیئرمین حلقہ ادب چوہدری ریاض احمد اور بحرین کے معروف شاعر جناب احمد عادل رونق افروز ہوئے۔ نظامت کے فرائض معروف کالم نگار اور صاحبِ طرز انشاء پرداز جناب خرم عباسی نے ادا کئے۔ اس موقع پر تشریف لائے ہوئے شعراء کے کلام سے انتخاب قارئین کی نذر ہے۔

اسد اقابل

حکمرانوں کی حیا پر سوال تھا
اور میں نے لکھ دیا ہے ہی نہیں
یہ نئی قانون سازی ہے حضور
جرم کی اس میں سزا ہے ہی نہیں

سمیع اللہ

یہاں وحشیوں کی تھیں وحشتیں، یا جنونیوں کا جنون تھا
مرے حکمراں کو خبر نہیں، کہ محل میں اس کے سکون تھا
ہے عجیب تر مری کیفیت، کہ ہوں ضبط و گریہ کے درمیاں
جو چھلک گئے مرے اشک تھے، وہ جو پی لیا مرا خون تھا

محمد انور مائل

جب سے یہ شمس و قمر ویراں ہوئے
یوں لگا جیسے نگر ویراں ہوئے
جب پسِ ترکِ تعلق وہ ملے
میں لگا غمگین تو وہ خنداں ہوئے

سعید سعدی

نہیں ہے جو دسترس میں اپنی
گمان ہے وہ سراب ہے وہ
کسی نے پوچھا کہ زیست کیا ہے
کہا کہ مثل حباب ہے وہ

ریاض شاہد

ممکن نہیں کہ ایک ہی خط پر ہو اتفاق
اس کا فسانہ اور مرے واقعات اور
اک آسماں کے سائے میں رہتے ضرور ہیں
دنیا جدا ہے اس کی مری کائنات اور

اقبال طارق

الفتوں کے چراغ روشن ہیں
شاہ کے تخت وتاج روشن ہیں
تیرگی بڑھ رہی عالم میں
مے کدے میں ایاغ روشن ہیں

احمد امیر پاشا

بستی کے لوگ سنتے ہیں کم ہی خدا کی بات
اس عہدِ رسا میں کریں کیا رسا کی بات
ظرف عطا تو اب کوئی موضوع نہیں رہا
کرتے ہیں لوگ زیادہ تر دست عطا کی بات

احمد عادل

جہاں تقدیر لے جائے وہاں رستے نہیں جاتے
کیا تھا رُخ ادھر کا کیوں، لکھا تھا جب اُدھر جانا
حوالہ زندگی کا بھی تمہاری زلف جیسا ہے
بکھرنا پھر سنور جانا، سنورنا پھر بکھر جانا

صدارتی خطبہ میں ڈاکٹر شعیب نگرامی نے بحرین میں ادبی فضا کو حوصلہ بخش قرار دیتے ہوئے کہا سعودیہ کے علاوہ کافی ممالک میں ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا مگر بحرین کی ادبی فضا اس لحاظ سے حوصلہ کن اور بہتر ہے کہ یہاں شعراء کے کلام میں مقصدیت درجہ اتم موجود ہے، دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو شاعری میں لچر پن نہیں، مہمانِ خصوصی جناب شکیل احمد صبر حدی نے کہا کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ تمام شعراء ایک تنظیم تلے مل جل کر ادب کی خدمت کریں تاکہ بحرین سے ایک مثبت، مضبوط اور مستحکم پیغام جائے، مگر یہ ایک اچھی روایت ہے کہ یہاں ادبی تنظیمیں دوسری تنظیموں کی شعری نشستوں اور مشاعروں میں شرکت کر کے انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں اور یہ بھی اردو ادب کی خدمت ہے۔ نشست کے میزبان جناب اقبال طارق نے تمام مہمانوں کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ اور یوں یہ نشست رات گئے ایک پُرتکلف عشائیے پر اختتام پذیر ہوئی۔

ضرورت رشتہ

افسانہ نویس: عذرا علیم

سکینہ بیگم کو بیٹے کیلئے چاند سی بہو کی تلاش تھی

ادھیڑ عمر کی بیوہ سکینہ بیگم اپنے لائق و فائق بیٹے شہریار کے لئے چاند سی بہو ڈھونڈ رہی تھیں، گلی محلے کا کون سا ایسا گھر تھا جو انہوں نے چھان نہ لیا ہو لیکن یہ کام تو گویا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ کٹھن تھا. دروازے پر دستک ہوئی تو سکینہ بیگم نے اپنی بیٹی زینب کو آواز دی کہ کنڈی کھول دے ،دروازے پر رحمت بی بی کھڑی تھیں دروازہ کھلتے ہی ہانپتی ہوئی سکینہ بیگم کے پاس پڑی کرسی پ آ کر بیٹھ گئیں اور دن بھر کی روداد سنانا شروع کر دی، سکینہ بیگم نے ٹوکتے ہوتے کہا کہ بی بی صرف ہمارے کام کی بات بتاؤ، تو رحمت بی بی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہنا شروع کیا". باجی سکینہ یہ جو اگلے چوک سے پچھلی گلی میں تیسرا مکان ہے وہاں ایک ماہ قبل یہ لوگ شفٹ ہوئے ہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں ابا کاروبار کرتے ہیں پلاٹوں وغیرہ کا اور بھائی کسی کمپنی میں ملازم ہیں ایک بھائی شادی شدہ ہیں۔اس کی بیوی ماں بننے والی ہے۔اس لئے میکے میں ہے. ماں بڑی نیک صفت ہے ،پابند صوم وصلواۃ ہے" سکینہ بیگم نے پھر ٹوکا "اے بس بھی کر اب.. تو مجھے لڑکی کے بارے میں بھی کچھ بتا کہ کیسی ہے ."رحمت بی بی پھر سے گویا ہوئیں "لڑکی تو بس چاند کا ٹکڑا ہے جیسی تم چاہتی ہو نہ بالکل ویسی ہی ہے باجی!، یہ دیکھو میں تو تصویر بھی لے آئی ہوں. "اور یہ کہتے ہوئے ایک خاص مسکراہٹ کے ساتھ تصویر سکینہ بیگم کی جانب بڑھائی. سکینہ نے ایک اچٹتی سی نگاہ تصویر پر ڈالتے ہوے کہا" اے بی بی ایسی تو تم سینکڑوں تصویریں دکھا چکی ہو مگر تصویر اور اصل میں تو بڑا فرق ہوتا ہے. خیر اب یہ بتاؤ کہ لڑکی کب دیکھنے جانا ہے، یقین مانو میرے تو پاؤں ٹوٹ گئے ہیں یہ در در خاک

چھاننے میں، سکینہ بیگم مایوس ہوتے ہوئے بولیں."... اب اس میں میرا کیا قصور ہے باجی، رحمت نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہو کہا،.. میں نے تو آپ کو کتنی لڑکیاں دکھائیں مگر آپ کو تو کوئی بھی پسند نہ آئی". سکینہ بیگم غصے میں بولیں "تو! تو نے کون سے اچھی لڑکیاں دکھائیں اب تک، دیکھ بھئی میرا بیٹا دبئی میں ملازمت کرتا ہے ٹھاٹ باٹ سے رہتا ہے اب اس کے مطابق ہی لڑکی ہونی چاہیے ناں!. "باجی یہ غفور صاحب کی بیٹی اچھی نہیں تھی کیا؟" رحمت نے یاد دلاتے ہوئے کہا ---اتنی کالی کلوٹی اے کیا میرا ہی بیٹا ملا تجھے اس بھتنی کے لیے توبہ کر توبہ"... اچھا وہ جو کریم بھائی کی بیٹی تھی وہ تو خوب

شہریار نے بلکتے ہوئے کہا" ماں کسی کو نہ بتانا یہ میرے بچے نہیں ہیں، ورنہ ہماری ناک کٹ جائے گی"

گوری چٹی تھی"... اے گوری تو تھی مگر موٹی بھی تو کتنی تھی، ہم نے کوئی بھینس پالنی تھی گھر میں... " اچھا وہ جو محمود صاحب کی لڑکی تھی اس کا کیا؟؟... اس کا قد کتنا چھوٹا تھا اے میرا بیٹا پانچ فٹ نو انچ کا ہے اب کوئی دراز قد لڑکی ہونی چاہیے کہ نہیں... بول!......

اچھا یاد آیا وہ جو قدیر صاحب کی بیٹی تھی وہ تو لمبی بھی تھی ناں!۔۔آئے ہائے۔۔۔! اتنے غریب لوگ کہ گھر میں ڈھنگ کا صوفہ بھی نہیں بٹھانے کے لیے لڑکی کو کیا خاک جہیز دیتے، ہماری تو برادری میں ناک کٹ ہی جاتی... ارے یاد آیا وہ جو رفیق صاحب کی بیٹی تھی... ارے بھئی نوکری کرنے والی گھر تھوڑی سنبھالتی ہے.. اچھا وہ جو مقبول صاحب کے گھر گئے تھے ان کا کیا؟؟... ہاں... ان کی تیسری لڑکی مجھے پسند آئی ہے... مگر باجی وہ دو بڑی لڑکیوں سے پہلے چھوٹی والی کا رشتہ کیسے کر دیں، آپ خود ہی سوچیں وہ تو ابھی نویں جماعت میں پڑھ رہی ہے... اے بہن ہمیں کون سی جلدی ہے شادی کی تیاریوں میں ایک دو سال تو یوں ہی نکل جائیں گے، اس دوران دوسریوں کا بھی رشتہ ہو ہی جائے گا... جی باجی میں سمجھ گئی.. اچھا وہ جو ملک صاحب کی بیٹی تھی اس کا کیا؟؟ اے! وہ جو دن بھر لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتی ہے اور پرکٹی الگ ہے نہ شرم نہ حیا لڑکوں کے کپڑے پہنے گھومتی پھرتی ہے، ارے نہ بابا نہ. کافی دیر تک یہ بحث چلتی رہی اور سکینہ بیگم نے ہر لڑکی میں کوئی نہ کوئی عیب ڈھونڈ ہی نکالا

.. رحمت بی بی ان کو قائل نہ کر سکیں آخر کار انہوں نے تھک کے اجازت لی اور پانچ سو کا نوٹ مٹھی میں دبا کر وہاں سے رخصت ہو گئیں۔راستے میں کچھ سبزی خریدی اور رکشہ پکڑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں.

کچھ دنوں میں پھر اسی طرح سکینہ بیگم کے دروازے پہ کھڑی تھیں.. ارے.. آؤ آؤ. بڑے دنوں میں چکر لگایا کیا بات ہے ہمیں بھول گئیں کیا؟؟ سکینہ نے بیگم خاص انداز میں

مسکراتے ہوئے کہا.. نہیں نہیں باجی آپ کے ہی کام کے لیے مصروف تھی... کیا خبر لائی ہو رحمت بی بی، سکینہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا۔۔باجی وہ جو صادق صاحب کا بتایا تھا آپ کو پچھلی بار وہ جو پلاٹوں کا کاروبار کرتے ہیں... ہاں یاد آیا ذکر تو کیا تھا تم نے... جی وہ ان کی بیٹی ہر طرح سے اچھی ہے اور وہ تو بیٹی کو جہیز میں پلاٹ بھی دیں گے پورے دو سو بیس گز کا.. سچ بتا رحمت، یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔۔۔۔ سکینہ بیگم معنی خیز انداز میں مسکرائیں، رحمت بی بی پھر سے گویا ہوئیں اور وہ کہتے ہیں کہ لڑکے کو گاڑی بھی دینگے... یہ سن کر

سکینہ بیگم کی باچھیں کھل گئیں اور بولیں چل چل ابھی بات پکی کرتے ہیں جا کے سکینہ بیگم نے چپل پیر میں ڈالتے ہوئے کہا۔

پر باجی ایک بات ہے۔۔۔ رحمت بی بی نے گھبراتے ہوئے کہا... اب کیا بات ہے رحمت بی بی؟؟ سکینہ بیگم نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا... جی وہ... ہاں ہاں. بول ناں!۔۔ رحمت بی بی نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں دھیرے سے سرگوشی کی، دراصل لڑکی بیوہ ہے.. شادی کے دو ماہ بعد ہی اس کے خاوند کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا اور... اور وہ... ابھی رحمت بی بی نے بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ سکینہ بیگم غرائیں.. ستیاناس۔۔

۔۔۔تیرے منہ میں خاک پڑے میرے بیٹے کے لئے

سکینہ کی آنکھوں میں سیکڑوں بچیوں کی شبیہہ گھوم رہی تھی، جنہیں وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر مسترد کر چکی تھی

تجھے اور کوئی نہ ملی جو ایسی منحوس کو ہمارے متھے منڈھنے کا سوچ رہی ہے. دفع ہو جا یہاں سے اور اپنی شکل نہ دکھانا... رحمت بی بی مایوس ہو کر خالی ہاتھ بوجھل قدموں سے صحن سے اٹھ کر صدر دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔۔۔ سکینہ بیگم کی چیخ و پکار دیر تک اس کا پیچھا کرتی رہی.

سکینہ بیگم کے خاندان کی عورتوں جب کو پتہ چلا کہ رحمت بی بی کے ذریعے شہریار کے لئے لڑکی ڈھونڈی جا رہی ہے تو انہوں نے بھی اپنی بیٹیوں کی تصویریں رحمت کو سونپ دیں کہ شاید اسی طرح کوئی سبب بن جائے. اور رحمت بی بی نے اس بار پوری امید کے ساتھ سکینہ بیگم کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلتے ہی صحن میں پڑی کرسی کھینچ کر سکینہ بیگم کے قریب بیٹھ گئیں انہوں نے سکینہ بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ کہا کے باجی مجھے تو خیال ہی نہ آیا کہ آپ کے خاندان میں ایک سے ایک لڑکی موجود ہے، یہ دیکھئے یہ آپ کے جیٹھ کی بیٹی صائمہ کتنی پیاری ہے... سکینہ بیگم طنز کرتے ہوئے گویا ہوئیں، ہاں بھئی! لڑکی تو بہت اچھی ہے اپنے خاندان کی بھی ہے مگر اس کے ماں باپ نے کبھی ہماری عزت نہیں کی، اب جب میرا بیٹا دبئی میں جا کر ملازم ہو گیا تو اب انہیں رشتہ جوڑنے کا خیال آیا...

اچھا... تو یہ آپ کی نند کی بیٹی سمیرا۔۔ یہ تو بہت ہی خوبصورت ہے. ۔۔رحمت بی بی نے دوسری تصویر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔

اس کے تو بہت نخرے ہیں بابا، سارا دن پارلر میں بیٹھی رہتی ہے نیل پالش خراب نہ ہو جائے اسی لئے برتن نہیں دھوتی اور رات بھر نیٹ پہ گپ شپ کرتی ہے اور دن کے دس بجے سو کر اٹھتی ہے. یہ کیا گھر سنبھالے گی بیچاری، سکینہ بیگم نے تصویر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔۔

... اچھا یہ جو آپ کی بہن کی بیٹی ہے ماریہ وہ کیسی رہے گی؟؟ رحمت بی بی نے گہری نظروں سے سوالیہ انداز میں پوچھا... سکینہ بیگم نے تھوڑے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ،ہاں! مجھے پسند بھی تھی مگر میرے بھائی کے بیٹے زیاد سے اس کی منگنی ہو گئی پھر خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے منگنی ٹوٹ گئی ،اب اسے بہو بنا کر خاندان سے ناراضگی تو نہیں لی جا سکتی ناں۔۔

......جی ٹھیک ہے باجی رحمت بی بی نے سوچتے ہوئے کہا مگر ہمت جتاتے ہوئے پھر ایک اور تصویر دکھاتے ہوئے بولیں... اور یہ جو آپ کے بھائی منور کی بیٹی ہے شہلا وہ تو

بہت ہی نیک ہے، آپ کہیں تو بات آگے چلاؤں

... ہاں اچھی تو ہے مگر میرے بیٹے سے دو سال بڑی ہے

... سکینہ بیگم منہ بناتے ہوئے بولیں۔۔۔

تو کیا ہوا باجی اس سے کیا فرق پڑتا ہے.. رحمت بی بی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔۔۔

سکینہ بیگم نے جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا، دیکھو بھئی! لڑکی لڑکے سے کم از کم پانچ سال چھوٹی ہونی چاہیے تب ہی صحتمند بچے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات ساری دنیا کو اچھی طرح معلوم ہے اور خاندان کی لڑکی لانے کی ایک اور مصیبت بھی ہے کہ گھر کے نجی معاملات پورے خاندان میں پھیل جاتے ہیں، کوئی بھی بات راز میں نہیں رہتی۔۔

جی باجی ٹھیک کہتی ہیں آپ رحمت بی بی نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا... میں بھی سوچ رہی تھی کہ گھر میں بچیاں ہوتے ہوئے آپ غیروں میں کیوں رشتہ کرنا چاہتی ہیں اور ایک بار پھر رحمت بی بی سکینہ بیگم کو قائل کرنے میں ناکام رہیں. سکینہ بیگم نے بٹوے میں سے ہزار کا نوٹ رحمت بی بی کی مٹھی میں رکھتے ہوئے ہدایت دی خاندان کی سب عورتوں کو کوئی نہ کوئی معقول اور مناسب بہانہ بنا کر ٹال دیں اور خاندان کی بچیوں کا ذکر دوبارہ نہ کریں۔ رحمت بی بی نے گردن جھکا کر حامی بھرتے ہوئے تمام تصویروں کو لفافے میں ڈالا اور اجازت لی، رکشہ میں بیٹھی راستے بھر سوچتی رہیں کہ کونسی لڑکی ایسی ہو گی جو سکینہ بیگم کے معیار پر پوری اترے گی، بازار سے گزرتے ہوئے ٹھیلے سے سبزی کے ساتھ آج کچھ پھل بھی خریدے اور فون میں 100 روپے کا بیلنس بھی ڈلوایا اور سکینہ بیگم کے خاندان کی تمام عورتوں پیغام لکھا کہ شہریار نے ماں کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی پسند سے شادی کرے گا۔
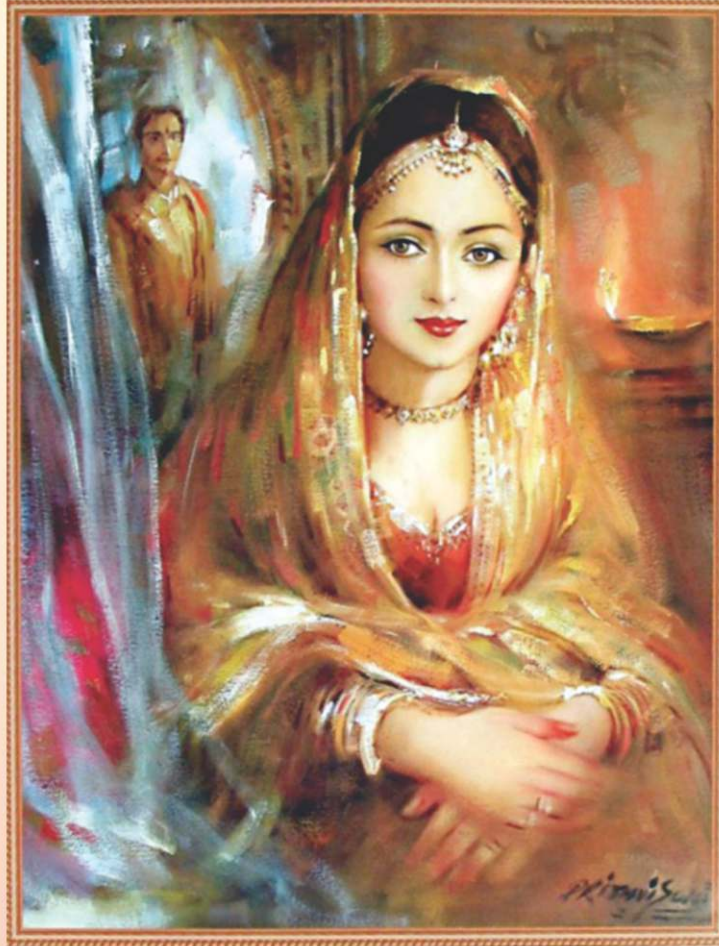
اسی طرح مہینے اور پھر سال بیت گیا اس دوران سکینہ کے بھائی منور اور اسکی بیوی نے بڑی سوچ بچار کے بعد رحمت بی بی کے ذریعے سکینہ بیگم کی بیٹی زینب کے لیے اپنے بیٹے زیاد کا رشتہ بھیجا، رحمت بی بی نے منور اور اس کی بیوی کو پوری طرح یقین دلایا کہ زینب اور زیاد کی شادی کے بعد سکینہ بیگم کمزور پڑ جائیں گی اور شہلا اور شہریار کے لیے رشتے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ رشتہ پکا ہوتے ہی رحمت بی بی کو دونوں گھروں سے 20000 ہزار انعام رقم ملی۔ اسی سال شہریار ایک ماہ کی چھٹی آیا اپنی چھوٹی بہن زینب کی شادی خوب دھوم دھام سے ماموں کے بیٹے زیاد سے کروائی کچھ دن ماں کے ساتھ رہا، دوستوں اور خاندان والوں سے ملا سیر سپاٹے کیے، گھر کی بالائی منزل کی تعمیر کروائی اور واپس چلا گیا گو کہ زینب کی شادی کے دوران خاندان کے سب ہی لوگ اس کو گھر بسانے کا مشورہ دیتے رہے اور وہ ہنس ہنس کر سب کو ٹالتا رہا۔ اس دوران نہ ہی سکینہ بیگم نے کسی سے اس کی شادی کی بات چھیڑی اور نہ ہی شہریار نے خود شادی کی خواہش کا اظہار کیا سکینہ بیگم ملنے جلنے والوں کو ذوق و شوق کے ساتھ بیٹی کی شادی کے تحفے اور فلم دکھاتی رہیں رحمت بی بی نے شادی کی گہما گہمی سے فراغت کے بعد سکینہ بیگم کے کان میں بات ڈالی کہ اب وہ شہلا کو بہو بنا لیں تاکہ رشتہ داری اور مضبوط ہو جائے مگر سکینہ بیگم ٹس سے مس نہ ہوئیں اور صاف انکار کر دیا سکینہ بیگم کی بہن کے بیٹے سکندر کی بیوی کا زچگی کے دوران انتقال ہو جانے پر رحمت بی بی نے شہلا کی شادی سکندر سے خاموشی سے کروادی. اور اسی طرح ایک سال اور بیت گیا اور شہریار پھر چھٹی آیا مگر اس بار وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ انگریز عورت اور دو بچے بھی تھے. سکینہ بیگم کچھ سمجھ نہ پائیں کہ یہ کیا ماجرا ہے. شہریار نے ماں کو کمرے میں لے

اس بار وہ اکیلا نہیں آیا تھا، اس کے ساتھ انگریز عورت اور دو بچے بھی تھے

جا کر بتایا کہ یہ اس کی منکوحہ اور اس کے بچے ہیں اور یہ بچے اس کے پہلے شوہر سے ہیں جس سے وہ طلاق لے چکی ہے ... اتنا سنتے ہی سکینہ فرش پر چکرا کر گر گئیں جب ہوش آیا تو شہریار ان کے قریب بیٹھا تھا. اس نے رندھی ہوئی آواز میں ماں

کو بتایا کہ ایک حادثے میں وہ شدید زخمی ہوا اور ڈاکٹروں نے اسے بتایا کہ اب وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا.. یہ سوچ سوچ کر وہ پاگل ہوا جا رہا تھا. تب ہی اس کی ملاقات مارلن سے ہوئی وہ ایک بڑی کمپنی میں اہم عہدے پر فائز تھی شوہر سے طلاق کے بعد وہ اپنے بچوں کو پال رہی تھی، اس نے اخبار میں شادی کا اشتہار دیا.. اور میں بھی امیدواروں میں شامل تھا. ہم دونوں نے ایک دوسرے کا سہارا بننے کا فیصلہ کیا. شہریار نے ماں سے بلکتے ہوئے کہا کے ماں کسی کو یہ نہ بتانا کہ یہ بچے میرے نہیں ورنہ خاندان میں ہماری ناک کٹ جائے گی میری اس کمزوری سے کہیں میری بہن کا گھر نہ اجڑ جائے آپ تو جانتی ہیں آجکل لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہانہ بنا کر طلاق دے دیتے ہیں ... شہریار نجانے کیا کیا کہتا رہا.. اور سکینہ کی آنکھوں میں ان سینکڑوں بچیوں کی شبیہ گھومتی رہی جنہیں وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر مسترد کر چکی تھی .. وہ اس صدمے کو زیادہ دن سہہ نہ پائی پہلے فالج کا ایک ہوا اور پھر چند ماہ بعد وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ۔۔شہریار گھر کو بیچ کر ہمیشہ کے لئے دبئی منتقل ہو گیا۔

شعر و سخن

حمد باری تعالیٰ

الٰہی زندگی کا کچھ قرینہ دے
دینے والے مجھے عزت سفینہ دے
امارت، غریبی ہے فریب دنیا
ایمان کامل کا بس خزینہ دے
ہیں غربت و افلاس کے زخم گہرے
الٰہی صبرہ ستقامت سے جینا د
آرزہ دل کیا ہے گناہ گار ہوں
لطف آئے اگر مرنے کو مدینہ دے
ہے اقرار دنیا میں خطا کار ہوں
الٰہی دل و جسم کو ندامت پسینہ دے

محمد نواز شوقی۔ہانگ کانگ

نعت رسول مقبولؐ

حضورؐ آپ کا جو بھی غلام ہوتا ہے
جہاں میں شخص وہی نیک نام ہوتا ہے
وہاں فرشتے بھی ہوتے ہیں ہم نوا آ کر
جہاں پہ ورد درود وسلام ہوتا ہے
عجب شان ہے میرے نبیؐ کی بستی کی
وہاں نزول ملائک مدام ہوتا ہے
نبیؐ کا شہر بھی مجھ جیسے بے نوا کے لیے
خدا کے فضل سے دارالسلام ہوتا ہے
خوش نصیب ہے ذاکر حیات کا جس کی
درونِ شہر نبیؐ اختتام ہوتا ہے

ذاکر حسین ذاکر

نکلا ہوں تنہا سفر میں اور
طے شدہ سفر نہیں ہے کوئی
چلتا ہے کڑی شرط اور
منزل کی خبر نہیں کوئی
ملی آبلہ پائی وہاں جہاں
دیوار و در شجر نہیں کوئی
وہ راستے کی خبر جو
ایسا حد نظر نہیں کوئی
دشت و بیاباں میں خط
تجھ سا رہبر نہیں کوئی
پانچ نکتے ہیں تجھ میں شکیل
اور پیش زبر نہیں کوئی

شکیل شہاب (مسقط

☆☆☆☆

لگائی کسی نے صدا پر صدا کوئی تو تھا
جو تو نہیں تو نہاں دوسرا کوئی تو تھا
درونِ گنبدِ جاں شور سا مچا ہوا ہے
نکل کے سینے سے میرے گیا کوئی تو تھا
کسی نے مجھ سے کہا پھر سے آ گیا ہے تو
تمہارے شہر میں پہچانتا کوئی تو تھا
دُعا تو مانگی بہت پر قبولیت نہ ہوئی
تو گویا مجھ سے بھی یارو خفا کوئی تو تھا
یہ کس کے ٹوٹنے کی سُن رہا ہوں آوازیں
جو مجھ میں ٹوٹا وہ شیشہ نُما کوئی تو تھا
یہ صحنِ دل جو اچانک سے ہو گیا خالی
تمہاری بزم سے شاہدؔ اُٹھا کوئی تو تھا

ریاض شاہدؔ (بحرین)

☆☆☆☆

تیری ضمانت پہ آ گئے ہیں
جو اشک آنکھوں کو بھا گئے ہیں
گئی رتوں کے وصال لمحے
مرے مسائل بڑھا گئے ہیں
جہاں سے اُٹھنے کی خو نہیں تھی
وہاں سے اُٹھنے پہ آ گئے ہیں
جو دل لگانے سے ڈر رہے تھے
سکوں ہمارا وہ کھا گئے ہیں
جو بات کہنے کی تھی وہ ہم سے
نہ جانے کیوں کر چھپا گئے ہیں
جنہیں محبت سے چڑ تھی کشور
ہمیں محبت سکھا گئے ہیں

شاہینہ کشور (کینیڈا)

☆☆☆☆

تجھ سے لگا کر زندہ رکھا
مر جاتا دل رکھا رکھا
لطف تو یہ ہے ان ہونٹوں نے
پانی کو بھی پیاسا رکھا
چاند سے رسم و راہ بڑھائی
سورج سے بھی رشتہ رکھا
پہلے نظر میں منزل رکھی
پھر قدموں میں رستہ رکھا
اس صحرا کا نام اُلٹ کر
اک پیاسے نے دریا رکھا

طاہر عظیم (بحرین)

☆☆☆☆

نہ چارہ ساز، نہ غم خوار، کیا کیا جائے
تو ہی بتا دل ہمارے، کیا کیا جائے
ہمیں خرید کر لے جائے، جس کا دل چاہے
ہم آ گئے سربازار، کیا کیا جائے
کبھی جو پھرتے تھے کاسہ بدست گلیوں میں
وہی ہیں شہر کے سردار، کیا کیا جائے
میں نے کھولی تھی حق کے لیے زباں اپنی
ہم ہی ہیں آج سردار، کیا کیا جائے
جنہیں تمیز نہیں ٹوپیاں بھی رکھنے کی
انہی سروں پر ہے دستار، کیا کیا جائے
جنہیں تھا ناز انا شیخ وہ گھبرا کر
چلے ہیں جانب دربار کیا کیا جائے

مقبول احمد شیخ

☆☆☆☆

بھلا اب یہ زندگی کیسے کٹے گی
تیرے بعد کیا دل کی دُنیا سجے گی
ادھر دم بہ دم شب رہے تیری روشنی
ادھر ہر نفس مشعلِ جاں چلے گی
چلو پھر نصیب شبِ غم ہو روشن
کہ پھر ٹوٹ کر ہم پہ بجلی گرے گی
ہے دامن میں میرے فقط اک امانت
میری جاں، یہ جاں مجھ کو دینی پڑے گی
نسیم اس کے در پہ چلو جاں تھما دیں
سنا ہے وہاں زندگی پھر ملے گی

محمد نسیم، مسقط

☆☆☆☆

قریۂ سنگ کی بھرپور مذمت کرنا
جرم روداد پر لازم ہے بغاوت کرنا
بت کو میں حال سنانے کا نہیں ہوں قائل
بے اثر چیز سے کیا غم کی وضاحت کرنا
راز دل پاس دُعاؤں کا نہیں جس رب کو
مجھ کو آتا ہی نہیں اس کی عبادت کرنا
اہلِ سیرت کے گھرانوں کی نشانی ہے یہ
زخم کھا کر بھی رقیبوں سے محبت کرنا
دہر میں حبس و شرر کا ہے تصادم برپا
اے میرے ایک خدا میری حفاظت کرنا
تم کو معلوم ہے موسیٰ، ہے برابر حج کے
ہنس کے ماں باپ کے چہرے کی زیارت کرنا

موسیٰ کشمیری (مسقط)

☆☆☆☆

ہر شخص کو جس بات پہ اصرار بہت ہے
اس دل کو اسی بات سے انکار بہت ہے
اک وہ کہ اُسے قصرِ فلک بوس بھی کم ہے
اک میں کہ مجھے سایۂ دیوار بہت ہے
خود شوق سے رکھا تھا قدم راہ وفا میں
اب کیسے کہیں راہ یہ دُشوار بہت ہے
کس شہر میں لائی ہے کھینچ کے تقدیر
زنداں ہے یہاں اِک لبِ اظہار بہت ہے
تم دیکھ سکو گے نہ یہاں خوں کا تماشا
مقتل ہے یہاں گرمی بازار بہت ہے
یہ بزم جہاں جس کے لیے چھوڑ دی اس کو
اب تُرک تعلق ہی پہ اصرار بہت ہے
خاموش ہے شہزادؔ یہ کیوں ساری خدائی
اک ہم ہیں کہ چپ رہنے سے انکار بہت ہے

احمد شہزادؔ (مسقط)

☆☆☆☆

ہر طرف ہے دُھواں دُھواں مرشد
سانس لیں بھی تو اب کہاں مرشد
ہم لٹا دیں گے اپنی جاں مرشد
حکم تیرا ہو جب جہاں مرشد
اب حقیقت کرو عیاں مرشد
ہونے والا ہے بدگماں مرشد
ہم سے ہنسنے کا پوچھیۓ نہ سبب
اشک ہو جائیں گے رواں مرشد
پاؤں میرے زمیں نے کھینچ لیے
چھو رہا تھا میں آسماں مرشد
مجھ کو لے آئے دشت کی جانب
تیرے قدموں کے یہ نشاں مرشد
دل پہ گھاؤ تو میں نے کھائے ہیں
روتا رہتا ہے آسماں مرشد
دُھوپ میں آپ کا خیال آیا
ہو گیا مجھ پہ سائبان مرشد
تب سے طاہرؔ ہوں معتبر جگ میں
جب سے مجھ پہ ہیں مہرباں مرشد

رانا سرفراز طاہرؔ (مسقط)

☆☆☆☆

اے دوست میں جب تیرے دروازے پہ کھڑا تھا
معلوم یہ ہوتا تھا ستارے پہ کھڑا تھا
میں ٹوٹ کے بکھرا ہوں تو احساس ہوا ہے
وہ شخص تو خود میرے سہارے پہ کھڑا تھا
دیکھا ہی نہیں تو نے کبھی پیار سے ورنہ
میں تیرے نگاہوں کے نظارے پہ کھڑا تھا
خوشبو بھی تعاقب میں نکل آئی گلوں سے
یہ کون ہواؤ ں کے اشارے پہ کھڑا تھا
بہتے ہوئے دریا کا بھروسہ نہیں کشفی
وہ ڈوبنے والا بھی کنارے پہ کھڑا تھا

عبدالغفور کشفی۔۔یو کے

ناصر معروف کی شاعری

اگر عزت ملے تو سر تکبر سے اٹھانا مت
کسی کی خاک کو تم اپنے پیروں سے اڑانا مت
میری دنیا میں آئے ہو میری دنیا سے جانا مت
یہ نفرت زہر دنیا ہے کبھی بھی اس کو کھانا مت
اگر یہ بن گیا تو پھر تمھیں ہی بانٹ ڈالے گا
جو دریا عشق کا ہے اس پہ کوئی پل بنانا مت
بزرگوں نے کہا ہے ہمیشہ جھک کے چلنا تم
مگر مجنوں یہ کہتا ہے کبھی سر کو جھکانا مت
یہ پردیسی یہاں پر مدتوں کے بعد آئے ہیں
محبت سے انہیں ملنا کبھی ان کو ستانا مت
دعا جیسا اثر ہوتا ہے ناصر بد دعا میں بھی
کسی صورت بھی دنیا میں کسی کا دل دکھانا مت

☆☆☆☆

کہاں دنیا سے لڑنا ہے کہاں خود سے بغاوت ہے
اسے سمجھا رہا ہوں جو محبت کی روائت ہے
ہزاروں دکھ اٹھاتا ہوں ہزاروں زخم کھاتا ہوں
مگر جاتی نہیں یہ مسکرانے کی جو عادت ہے
جہاں پر جب بھی جی چاہے زمیں پر بیٹھ جاتا ہوں
کہ میرے جسم کی مٹی کو مٹی سے محبت ہے
میں اپنے گاؤں کے سب کھیت کھالے یاد رکھتا ہوں
نہ جانے شہر میں رہتے ہوئے یہ کیسی عادت ہے
ہمیں کچھ اس لئے بھی عمر بھر اب ساتھ رہنا ہے
تجھے میری ضرورت ہے، مجھے تیری ضرورت ہے
زمیں پر پاؤں رکھ کر کوئی چلتا ہی نہیں ناصر
نہیں معلوم اس دنیا میں کس کو کتنی عجلت ہے

☆☆☆☆

کسی کا قرب جب تک دوستو حاصل نہیں ہوتا
میں چاہے جتنا کرلوں عشق وہ کامل نہیں ہوتا
مسافر جس کے پیچ و خم کی تکلیفوں سے نالاں ہو
وہ رستہ اپنے آخر میں کبھی منزل نہیں ہوتا
کسی کو تھام لینا زندگی کی اصل نیکی ہے
کسی کو چھوڑ دینا تو کوئی مشکل نہیں ہوتا
فقط احساس کی لذت ہے ہم دُنیا میں زندہ ہیں
وہ کب انسان ہوتا ہے کہ جس میں دل نہیں ہوتا
وہ جس کا شجرہ مل جاتا ہو ناصرؔ عشق والوں سے
کسی صورت وہ صف دُنیا میں شامل نہیں ہوتا

☆☆☆☆

سراپا ناز رانیوں سے پوچھ لو
میری سبھی دوانیوں سے پوچھ لو
مزاج میں وفا ہے میرے کس قدر
یہ جا کے تم پرانیوں سے پوچھ لو
ملے گا تم کو ذکر میرا ہر جگہ
پریم کی کہانیوں سے پوچھ لو
سزا ملی ہے کس طرح اناؤں سے
تڑپ رہی جوانیوں سے پوچھ لو

☆☆☆☆

کبھی خود پاس آئے ہو، تمہارا کھیل اچھا ہے
کبھی خود چھوڑ جاتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
کبھی خود بھی نگاہ ڈالو ذرا اپنی جفاؤں پر
مجھے ہی آزماتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
بدن پر کاڑھتے ہو خود ہی پہلے پھول زخموں کے
خود پھر مسکراتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
بتاؤ تو چراغوں سے خطا کیسی ہوئی آخر
جلاتے ہو بجھاتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
تمہاری ذات کا جو لوگ کرتے ہیں یقیں ان کو
ہمیشہ آزماتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
میرے وجدان میں جو خوشبوئیں اب بین کرتی ہیں
کہاں سے چراتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے
نہیں آتا یقیں تم کو کسی سے حلف لے کر بھی
تعلق کو جتاتے ہو تمہارا کھیل اچھا ہے

☆☆☆☆

کہاں دنیا سے لڑنا ہے' کہاں خود سے بغاوت ہے
اسے سمجھا رہا ہوں جو محبت کی روائت ہے
ہزاروں دکھ اٹھاتا ہوں؛ ہزاروں زخم کھاتا ہوں
مگر جاتی نہیں یہ مسکرانے کی جو عادت ہے
جہاں پر جب بھی جی چاہے زمین پر بیٹھ جاتا ہوں
کہ میرے جسم کی مٹی کو مٹی سے محبت ہے
میں اپنے گاؤں کے سب کھیت کھالے یاد رکھتا ہوں
نہ جانے شہر میں رہتے ہوئے یہ کیسی عادت ہے
ہمیں کچھ اس لئے بھی عمر بھر اب ساتھ رہنا ہے
تجھے میری ضرورت ہے' مجھے تیری ضرورت ہے
زمین پر پاؤں رکھ کر کوئی چلتا ہی نہیں ناصر
نہیں معلوم اِس دنیا میں کسی کو کتنی عجلت ہے

☆☆☆☆

اس کو نہ ایسے ہار کر دیکھو
زندگی ہے گزار کر دیکھو
میری سانسوں میں جی رہے ہو تم
روپ کوئی بھی دھار کر دیکھو
کھل ہی جائیں گے راز ہستی کے
عشق دریا بھی پار کر دیکھو
آنکھ ساگر میں دل کشتی ہے بہت
نقش کوئی ابھار کر دیکھو
چاند کتنا حسیں ہے گوہر
رخ سے آنچل اتار کر دیکھو

انمول گوہر

☆☆☆☆

عشق جب بے حساب ہوتا ہے
دل جلاؤ ثواب ہوتا ہے
وصل کی رات لمحے قربت کے
ہجر دل پر عذاب ہوتا ہے
جس کا والی نہ کوئی وارث ہو
بیت وہی خراب ہوتا ہے
آپ ظاہر پہ مر مٹے کیسے
کب دروں بے نقاب ہوتا ہے
ظرف ہو لازوال جس کا بھی
وہ میرا انتخاب ہوتا ہے
اُنگلیاں کٹتی ہیں سر محفل
حسن جب بے نقاب ہوتا ہے
جان دے کر بھی اُف نہیں کرتا
عشق میں یہ نصاب ہوتا ہے
ہم سدا اک ساتھ رہ پائیں
کب کہاں یہ جناب ہوتا ہے
بحث کرنا فضول ہے حاؔفی
ہر صنم لاجواب ہوتا ہے

شہباز احمد حاؔفی (مسقط)

☆☆☆☆

روٹھ جانے کی عادتیں نہ گئیں
دل جلانے کی عادتیں نہ گئیں
زخم کھا کر بھی تجھ سے،نام تیرا
گنگنا نے کی عادتیں نہ گئیں
پیار سے جو بھی مل گیا اس کو
دکھ سنانے کی عادتیں نہ گئیں
دودلوں کو اجاڑ کے ہنسنا
یہ زمانے کی عادتیں نہ گئیں
چاند جیسا ہر اک حسیں چہرہ
دل کو بھانے کی عادتیں نہ گئیں

ایازمحمودایاز۔فرانس

☆☆☆☆

کچھ نہیں ملتا وحشت سے کنارہ کر کے
زندگی تجھ کو گزاریں گے گزارہ کر کے
ہے تمنا کہ اگر میں بھی پرندہ ہوتا
غمزدہ یوں نہ ہوتا خود کو آوارہ کر کے
دل جلاتا تھا مگر دل رکھنا نہیں آتا تھا اسے
مار دیتا تھا یونہی آنکھوں سے اشارہ کر کے
ساری کائنات تیرے قدموں میں لا رکھتے
دیکھا ہوتا کبھی تم نے خود کو ہمارا کر کے
دل شکستہ ہو تو ہر درد اثاثہ سمجھو
ولی بن سکتا ہے انسان یہ خسارہ کر کے
غم جاناں،غم دنیا سے ہو گا آزاد مغل
لوٹے گا جو کبھی کعبے کا نظارہ کر کے

عابد جاوید مغل۔مسقط

لفظوں میں نہیں آتا، مصرعوں میں نہیں آتا
غم ہے جو مرے دل میں، شعروں میں نہیں آتا
آوارہ ہے دل میرا، ویرانوں میں اڑتا ہے
جنگل کا پرندہ ہے، شہروں میں نہیں آتا
کیوں سیج سجاتے ہو تم میرے لیے، یارو ؟
کانٹوں کا جو عادی ہو، پھولوں میں نہیں آتا
صدیوں کی ریاضت سے ہوتی ہے عطا کوئی
اے دوست ! کوئی فن بھی لمحوں میں نہیں آتا
اس شخص سے حیدر کو بس اتنی شکایت ہے
خوابوں میں تو آتا ہے، بانہوں میں نہیں آتا

سید رضوان حیدر۔عمان

☆☆☆☆

بند ہیں یا کھلے ہیں دروازے
سوچ میں پڑ گئے دروازے
پہلے دیوار ہم پہ آن گری
اور اب آ گرے ہیں دروازے
آج امکان تھا اس کے آنے کا
ان کو تیری ہوا لگی ہو گی
اس لئے بولتے ہیں دروازے
کوئی بھولا ہوا ہی آ جائے
کب سے کھولے ہوئے ہیں دروازے
کس کے آنے کی آس میں میثم
رات بھر جاگتے ہیں دروازے

میثم تمار۔عمان

☆☆☆☆

جتھے درد ونڈائے نئیں جاندے
اوتھے حال سنائے نئیں جاندے
جتھے سچ وی آپو اپنا اے
اوتھے قول نبھائے نئیں جاندے
جتھے دولت، شہرت سب کچھ اے
اوتھے پیار ودھائے نئیں جاندے
اتوں نکھرے وچوں گندیاں دے
میتھوں ناز اُٹھائے نئیں جاندے
سپ پالن والے کیوں آکھن
ساتھوں دُدھ پلائے نئیں جاندے
کدی علی نوں مشکل دس تے سہی
کنج خوف دے سائے نئیں جاندے

محمد علی فضل۔عمان

☆☆☆☆

احمد شہزاد (مسقط)

انمول گوہر

میثم تمار۔عمان

محمد نسیم۔مسقط

مقبول احمد شیخ

محمد علی فضل۔عمان

محمد نواز شوقی۔ہانگ کانگ

رانا سرفراز طاہر (مسقط)

موسیٰ کشمیری (مسقط)

عابد جاوید مغل۔مسقط

شہباز احمد حاؔفی (مسقط)

شکیل شہاب (مسقط)

ذاکر حسین ذاکر

سید رضوان حیدر۔عمان

بین الاقوامی سطح پر پاکستانی پرچم بلند کیا

معروف قوال بدرعلی خان، بہادر علی خان انٹرنیشنل ہجویری، میاں میری

قوالی کا لفظ قول سے نکلا ہے۔قول کہنے کا عملی قوالی کہلاتا ہے اور قول کہنے والے کو قوال کہا جاتا ہے۔ یہاں قول سے مراد اسلام، انبیاء کرامؑ، صوفیاء، اولیاء اور بزرگانِ دین کے وہ ارشادات ہیں جو انہوں نے دینِ اسلام کے فروغ اور انسانیت کی فلاح کے لیے ارشاد فرمائے۔ ہندوستان میں چونکہ ہندومت کا سلسلہ مقبول اور معروف تھا، موسیقی ان کی عبادت کا حصہ تھا لہٰذا صوفیاء اور اولیاء نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے موسیقی کا سہارا لیا۔ اس سلسلے کا آغاز حضرت امیر خسروؒ سے ہوا اور پھر یہ سلسلہ مختلف حوالوں سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور یہ روایت سفر کرتے ہوئے ہم تک پہنچی۔ اس لیے آج گو کہ قوالی میں مختلف قسم کی خرافات بھی آ گئیں مگر حقیقت میں یہ اولیاء کرام کی میراث ہے جسے بہت سے قوال گھرانے آج تک لے کر چل رہے ہیں۔ انہوں نے روشنی کے اس سفر کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ ان گھرانوں میں ایک گھرانہ بدرعلی خان اور بہادر علی خان کا بھی ہے جو اپنے باپ دادا کے قوالی کے سفر کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ آج جبکہ ہر طرف مغربی موسیقی کا راج ہے، بے ہنگم شور و غوغا ہے، ہر چیز کمرشلزم کا شکار ہے ایسے میں صوفیاء کرام کی اس روایت کو لے کر چلنا انتہائی مشکل کام ہے مگر وہ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو سفر انہوں نے اولیاء کرام کی درگاہوں سے شروع کیا تھا، آج اسے وہ بین الاقوامی سطح تک لے گئے ہیں۔ اس لیے انہیں انٹرنیشنل قوال بھی کہا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں قوال بدرعلی خان اور بہادر علی خان سے ملاقات ہوئی۔ ذیل میں اس گفتگو کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

بدرعلی خان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے آباؤاجداد کا تعلق تلونڈی، ضلع جالندھر سے ہے۔ قوالی کا آغاز میرے دادا فیض محمد خان نے کیا تھا اور انہوں نے اپنے زمانے میں بڑی شہرت پائی۔ پھر اس سلسلے کو میرے

قوالی پر چھائے جمود کو توڑنا چاہتے ہیں

والد الیاس علی خان اور ارشد علی خان عرف اچھی میاں قوال نے جاری رکھا، جس کے بعد ہم نے اسے آگے بڑھایا اور اب اپنے خاندان کی جانشینی میرے حصے میں آئی۔ میرے ساتھ میرے بھائی بہادر علی خان سنگت کرتے ہیں۔ بڑے بھائی رضوان علی طبلہ پلیئر ہیں۔ میں نے موسیقی کی تعلیم اپنے والد صاحب سے دس سال کی عمر میں لینا شروع کی۔ اسی طرح میرے بھائی بہادر علی خان نے آٹھ سال کی عمر میں یہ فن سیکھنا شروع کیا اور پھر قوالی کے قافلے لے کر پاکستان بھر کی درگاہوں میں حاضری دی اور دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آرٹ کونسل، ریڈیو اور ٹی وی کے لیے متعدد پروگرامز کر چکے ہیں۔ آج کل قوالی میوزیکل انسٹرومنٹس میں گھر چکی ہے۔ فلمی گانوں کی طرز پر قوالی ہونے لگی ہے۔ اس سے قوالی کو فائدہ نہیں نقصان ہو رہا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ قوالی کو اس کے اصل رنگ میں زندہ رکھیں۔ ہمارے سینئرز نصرت فتح علی خان اور غلام فرید صابری نے قوالی کے فروغ کے لیے بہت کام کیا۔ ہماری بھی کوشش ہے کہ اس سفر کو مزید اچھے انداز میں آگے بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہر ملک میں بے پناہ پذیرائی ملی ہے۔

2011ء میں ہم نے مصر میں فورتھ انٹرنیشنل مہرجاں سماء فیسٹیول میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ پاکستان ایمبیسی نے ہمیں بلایا تھا۔ اس فیسٹیول میں امریکہ، ترکی، مصر، مراکش، نیوزی لینڈ، انڈونیشیا کے قوالوں نے بھی شرکت کی۔ اس مقابلے کی فضا میں ہم نے پاکستان کا پرچم بلند کیا اور سب سے نمایاں رہے۔ ہماری قوالی ''اللہ ہو'' کی گونج ہر طرف سنائی دی۔ سفیرِ پاکستان ہماری کارکردگی سے اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے دوبارہ ہمیں دعوت دی۔

2012ء میں ہم سفیرِ پاکستان کی دعوت پر جاپان گئے، وہاں ہم نے ثقافتی پروگرام ''پاکستان جاپان فرینڈ شپ بازار'' میں شرکت کی اور ہم نے وہاں پاکستان اور جاپان کا میوزک مکس کر کے پرفارم کیا۔ پاکستانیوں کے ساتھ جاپانی بھی ہماری پرفارمنس پر جھوم اُٹھے۔ صوفی میوزک سے متاثر ہو کر دو جاپانیوں نے اسلام بھی قبول کیا۔ بہت سے جاپانی لڑکے اور لڑکیاں فنِ قوالی سیکھنے کے لیے ہمارے شاگرد ہوئے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انہیں ہم موسیقی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ہماری کارکردگی دیکھ کر ہمارے سفیرِ محترم نور محمد صاحب نے کہا کہ آپ نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا اور پھر 2017ء میں دوبارہ پاکستان جاپان فرینڈ شپ میں شرکت کی دعوت ملی اور ہم نے یہ دورہ کیا۔ 2014ء میں ایران سے دورے کی دعوت ملی۔ وہاں ہم نے تہران، زاہدان اور کاشان میں فن کا مظاہرہ کیا۔ اس دورے کے دوران ہمیں عمان سے دعوت نامہ ملا، چنانچہ واپس آتے ہوئے ہم مسقط میں رُکے اور وہاں عطاالحق قاسمی کی زیرِصدارت پروگرام ہوا۔ وہاں بھی ہماری پرفارمنس کو سراہا گیا۔ اس موقع پر معروف شاعر انور مسعود بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے وائس چیئرمین راجہ اخمت حیات صاحب اور پاکستانی کمیونٹی کے دیگر عہدیداران کی طرف سے بہت محبت ملی۔ 2017ء میں ہم نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا اور شارجہ میں فن کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہمیں یہاں بھی بہت پذیرائی ملی، ہمارا فن حوصلے اور جوش کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

پاکستان میں Nust یونیورسٹی اور رفیع پیر انٹرنیشنل تھیٹر میں ہماری پرفارمنس یادگار رہی ہے۔ بین الاقوامی سٹیج پر کھلے میدان میں مقابلے کا اپنا مزہ ہے۔ یہ آپ کے فن کو جلا بخشتا ہے۔

قوالی کے مستقبل کے حوالے سے بدرعلی خان کا کہنا ہے کہ ہم تو اپنا کام کر رہے ہیں مگر کبھی کبھی مایوسی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس شعبے کو حکومتی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ کلچرل کی منسٹری نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمیں جو حکومت کی طرف سے سپورٹ اور پذیرائی ملنی چاہیے وہ نہیں مل رہی۔ اس لیے کبھی کبھی قوالی کے مستقبل کے حوالے سے مایوسی ہونے لگتی ہے۔

بدرعلی خان کا کہنا ہے قوالی صوفیاء کی میراث ہے۔ ذمہ داری کا کام ہے۔ ایک صوفی کی طرح قوال کا باکردار ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ روح کے سکون اور تبلیغ کا کام ہے۔ یہ ذہن اور روح کی پاکیزگی اور اچھے کردار کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم نے کبھی بغیر وضو کے قوالی نہیں کی، کیونکہ جب تک طہارت اور پاکیزگی کی کیفیت ہمارے اندر نہیں آئے گی، سننے والے پر اس کا اثر کیسے ہوگا۔

بدرعلی خان نے کہا کہ ہمارے درج ذیل قوالی آئٹمز بہت مقبول ہوئے۔

سگ داتا پیا ہوں میں، داتا تیرا منگتا، تیرے کرم سے داتا، نبی کا نام جب میرے لبوں پر رقص کرتا ہے، علی علی کہن والے سدا خوش رہندے، میرے مولا حسین لجپال، علی دے غلام، مل کے بچھڑے ہو تم، ساقی پلا پلا کہ رات ہو گئی، پھر دل میں میرے آئی یاد شاہ جیلانی۔

ہمارے ساتھ ہارمونیم پر شاہد علی، طبلے پر وقاص علی پرفارم کرتے ہیں۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اپنے بزرگوں کی جانشینی ملی ہے۔ قسمت کے حوالے سے میرا یقین ہے کہ آپ کے نصیب کا لکھا آپ کو ضرور ملتا ہے۔ اس لیے کبھی پریشان نہیں ہوا۔ محنت پر یقین رکھتا اور دل سے کرتا ہوں۔ پھر قسمت پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اس لیے آج تک مایوسی نہیں ہوئی۔ مجھے یقین ہے میرے بچے احمد علی خان اور بلال علی خان ہمارے فن کو لے کر آگے چلیں گے، ان کی عمر بہت چھوٹی ہے مگر وہ اب سے ہارمونیم کے ساتھ دوستی کیے ہوئے ہیں، یہی ان کے کھلونے ہیں۔

بدرعلی خان کا کہنا ہے کہ اس وقت قوالی پر ایک جمود کی سی کیفیت ہے، میں اس جمود کو توڑنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہر طرف ہماری کلاسیکل قوالی کی گونج سنائی دے۔ قوالی کے ساتھ ان دنوں اپنے سولو آئٹمز بھی ریکارڈ کرا رہا ہوں۔ ان آئٹمز کو بھی پذیرائی مل رہی ہے۔ آج نفسانفسی کی بے سکون زندگی میں دل اور روح کی تسکین کے لیے صوفی میوزک کی بہت ضرورت ہے اور قوالی اس میں بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

دریچہ اوسلو کے زیر اہتمام محفل مشاعرہ

مکتوب ناروے

محمد ادریس

یوں تو اوسلو ناروے میں بے شمار تنظیمیں کام کر رہی ہیں اور سب کام قابل تعریف ہے، مگر خالصتاً اردو ادب اور ثقافت کو فروغ دینے میں سب سے فعال تنظیم دریچہ ہے، جو سات سالوں سے اس کام کو نبھا رہی ہے۔ گزشتہ دنوں دریچہ کے زیر اہتمام فیورست میں ایک محفل مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا، جس میں مقامی شعراء جن میں خالد تھتھال، فیصل ہاشمی، محمد صدیق، اسلم میر، اندرجیت پال، رائے بھٹی، ڈاکٹر ندیم حسین، ڈاکٹر سیف الرحمان، سلیم زیدی، ادریس لاہوری اور صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر جمشید مسرور نے شرکت کی۔ پروگرام میں خواتین و حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی، اگرچہ درجہ حرارت منفی ۱۲ تھا۔

پروگرام کا آغاز دریچہ کے صدر ڈاکٹر ندیم حسین نے خطبہ استقبالیہ پیش کر کے کیا اور دریچہ کے اغراض و مقاصد بیان کئے اور پوری ٹیم کا تعارف کرایا۔ جس کے نائب صدر معروف شاعر ضمیر طالب، پریس سیکرٹری مریم میر اور دیگر اراکین میں یاسر محمود، داؤد بیگ اور عمران طاہر شامل ہیں۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض دریچہ کے سیکریٹری محمد ادریس نے انجام دیئے۔

پروگرام کا آغاز معروف قانون دان اور انسانی حقوق کی علمبردار عاصمہ جہانگیر مرحومہ کی یاد میں شمع روشن کر کے کیا گیا اور فاتحہ خوانی کی گئی۔ پھر مشاعرے کا آغاز ہوا۔ تمام شعراء نے اپنا کلام سنایا اور خوب داد سمیٹی۔ پروگرام کے دوسرے حصے میں موسیقی کا اہتمام تھا۔ مریم میر، چاند مسیح، شبیر خان اور چوہدری سکندر نے فن کا مظاہرہ کیا۔ طبلے پر ان کا ساتھ آصف مسیح نے دیا۔ بلاشبہ یہ ایک شاندار پروگرام تھا۔ دریچہ انتظامیہ نے تمام شعراء اور فنکاروں کو گلدستے پیش کئے۔ حاضرین مجلس نے دریچہ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کو سراہا۔ اس پروگرام کی کوریج اوسلو کے مشہور مووی میکر عقیل قادر اور عامر بٹ نے کی۔

پاکستان ایمبیسی ناروے میں یوم پاکستان کی تقریب

رپورٹ: اسماعیل سرور بھٹیاں

ناروے میں پاکستان ایمبیسی کے زیر اہتمام یوم پاکستان کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں پاکستانی کمیونٹی نے بھرپور شرکت کی۔ سفیر پاکستان محترمہ رفعت مسعود نے پرچم کشائی کی اور اظہار خیال کیا۔ فرسٹ سیکریٹری محترمہ زیبا عباسی نے صدر مملکت اور وزیر اعظم پاکستان کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ اس موقع پر مختلف پاکستانی تنظیموں میں ایوارڈز بھی تقسیم کیے گئے۔
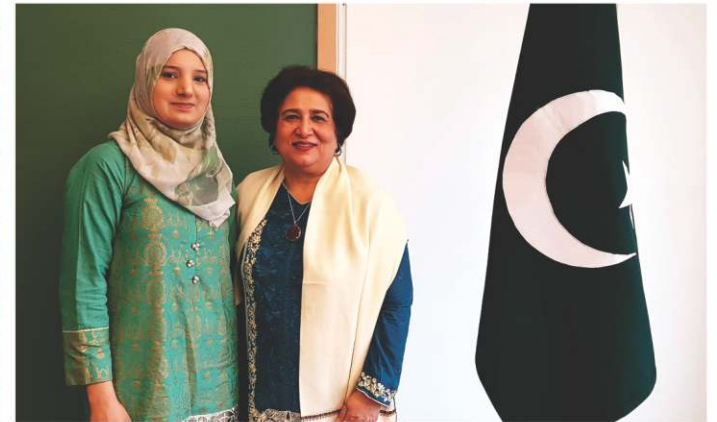
بزمِ اہلِ سخن پیرس کے زیرِ اہتمام معروف شاعر شکیل جاذب کے اعزاز میں تقریب

رپورٹ: ایاز محمود ایاز

فرانس میں اردو کے فروغ اور ترویج کے لئے کوشاں بزمِ اہلِ سخن پیرس فرانس نے پاکستان سے آئے ہوئے معروف شاعر، ٹی وی ہوسٹ شکیل جاذب کے اعزاز میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا، جس میں پاکستانی کمیونٹی، صحافیوں اور بزم اہلِ سخن کے شعراء نے شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن مجید اور نعت رسول مقبول سے کیا گیا جس کے بعد باقاعدہ مشاعرے کا آغاز کیا گیا شعراء میں آصف جاوید آسی، بخشی وقار ہاشمی، ممتاز احمد ممتاز، توقیر رضا، مقبول الٰہی شاکر اور عاکف غنی شامل تھے۔

پروگرام کی نظامت کے فرائض جنرل سیکرٹری بزم اہلِ سخن پیرس ایاز محمود ایاز نے سرانجام دیئے۔

پروگرام کے آخر میں مہمان خصوصی شکیل جاذب نے اپنا کلام سنایا جس سے محفل میں موجود حاضرین محظوظ ہوئے اور دل کھول کر داد دی۔

تحریک انصاف کے فرانس کے شہر لیون میں تنظیمی آفس کا افتتاح

رپورٹ: یاسر قدر

تحریک انصاف فرانس کا ایک وفد زیر صدارت صدر تحریک انصاف فرانس میاں ذوالفقار جتالہ، چیرمین ایگزیکٹو کونسل چودھری گلزار لنگڑیال، سرپرست اعلی مشتاق جدون، ڈپٹی سیکرٹری جنرل چودھری اعجاز جٹ، سینئر رہنما یاسر قدیر، صدر یوتھ ونگ طارق ندیم ارائیں، سیکرٹری جنرل یوتھ ونگ حاجی ابرار لہری ممبر رابطہ کمیٹی تنویر گجر نے فرانس کے ایک دوسرے بڑے شہر لیون میں تحریک انصاف لیون کے نومنتخب عہدیداران کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں شرکت کی جس کے بعد باضابطہ طور پر تحریک انصاف لیون کی بنیاد رکھ دی گئی۔

تقریب کا اہتمام آرگنائزر لیون راجہ عدنان اور ممبر ایگزیکٹو کونسل راجہ حامد ناصر کی جانب سے کیا گیا تھا جس میں کثیر تعداد میں ممبران نے شرکت کی یاد رہے کہ لئیون میں کسی بھی پاکستانی سیاسی پارٹی کا یہ پہلا پروگرام تھا جس کا انعقاد ہوا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کامیاب پروگرام کا انعقاد کرنے پر آرگنائزرز کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ اب وقت آن پہنچا ہے جب تحریک انصاف کا پیغام فرانس میں مقیم ہر پاکستانی تک پہنچایا جائے، اور اگر ہم نے پاکستان کو صحیح معنے میں دیگر ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ کھڑا کرنا ہے تو ہمیں عمران خان جیسی دلیر اور ویزن والی قیادت کو آنے والے انتخابات میں ووٹ دے کر منتخب کروانا پڑے گا تاکہ پاکستان بھی اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکیں، مقررین نے اس عزم کا ارادہ بھی کیا کہ لیون کے بعد بہت جلد تحریک انصاف فرانس کے دیگر شہروں میں بھی تحریک انصاف کا تنظیمی سیٹ اپ بنائے جائیں گے۔

تقریب کے اختتام پر تقریب حلف برداری بھی ہوئی جس میں نومنتخب عہدیداران کو تحریک انصاف فرانس کی قیادت کی جانب سے نوٹیفکیشن بھی دیے گئے۔

پاکستان کی یونیسکو ہیڈکوارٹر پیرس میں منعقد ہونیوالے نوروز کے تہوار میں شرکت

یونیسکو کے رکن ممالک جن میں افغانستان، آذربائیجان، بھارت، عراق، ایران، قازقستان، کرغزستان، پاکستان، تاجکستان، ترکمانستان، ترکی اور ازبکستان اس تقریب کے اہم منتظمین تھے۔ جس میں لوگوں اور مختلف قوموں کے درمیان ثقافتی تنوع اور دوستی میں شراکت داری کی گئی تھی۔ سفیر پاکستان و یونیسکو کے مستقل مندوب جناب معین الحق نے پاکستان کی جانب سے اس تقریب میں نمائندگی کی۔ نوروز کے میلے کے دوران مہمان میلے میں حصہ لینے والے ممالک کے ثقافتی پروگراموں اور روائیتی کھانوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ نوروز کے تہوار کو 2016 میں غیر معمولی ثقافتی ورثہ انسانیت کے طور یونیسکو کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔

سپین میں مقیم ہمہ جہت پاکستانی فنکار جمی شیخ کی باتیں

میرا فن ہی میرا عشق اور میری محبت ہے

اب زندگی میں فقیری اور درویش آگئی ہے

کہتے ہیں سچا فن کار ہمیشہ فنکار ہی رہتا ہے، وقت بدل جائے یا مقام تبدیل ہو جائے، وہ جہاں بھی چلا جائے وہ اپنے فن کا اثاثہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور بہتے ہوئے پانی کی طرح اپنا راستہ بناتے ہوئے اظہار کا کوئی نہ کوئی ذریعہ بھی بنا لیتا ہے اور جب اظہار کا موقع مل جائے تو وہ اپنے آپ کو منوا بھی لیتا ہے۔ ایسی ہی صورتحال معروف فنکار حاجی جمیل احمد المعروف جمی شیخ کے ساتھ بھی ہے۔ وہ ہمہ جہت فنکار ہیں اور طویل عرصے سے سپین کے شہر بارسلونا میں مقیم ہیں جہاں وہ روزگار کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ فنکارانہ سرگرمیوں کو بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بیک وقت مقرر، غزل سنگر اور نعت خواں کی حیثیت سے بارسلونا کے ساتھ ساتھ پورے یورپ میں پاکستانی کمیونٹی کی پہچان بن چکے ہیں۔ محفل خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو، ان کی شرکت کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ وہ اپنے فنی سفر کو نہ صرف خود جاری رکھے ہوئے ہیں بلکہ مختلف ممالک میں رہنے والے اپنے شاگردوں کو براہ راست اور آن لائن اس کی تربیت بھی دے رہے ہیں۔

گذشتہ دنوں ٹیلی فونک کال کے ذریعے ان سے تفصیلی بات ہوئی تو کہنے لگے، میرا بنیادی تعلق گوجرانوالہ سے ہے۔ مجھے اوائل عمر سے ہی گلوکاری اور اداکاری کا شوق عشق اور جنون کی حد تک تھا۔ اس زمانے میں اداکار اکمل مرحوم مجھے بہت اچھے لگتے تھے، بس پھر کیا تھا اس فنکارانہ عشق میں سب کچھ چھوڑ کر گوجرانوالہ سے لاہور آگیا۔ یہاں آکر ممتاز سینما پکی ٹھٹھی سمن آباد میں اداکار علی اعجاز کے بڑے بھائی امتیاز علی شاہ کا مکان کرائے پر لے کر رہا۔ تب سے اب تک میری رہائش اسی علاقے میں ہے۔ لاہور آکر میرا آنا جانا فلم اسٹوڈیوز میں ہوگیا۔ یہاں پر اداکار افضل خان اور فلمساز چودھری محمد اعجاز کامران اور اچھا شوگر والا نے میری بہت پذیرائی کی اور ہر طرح کی مدد بھی کی۔ افضل خان مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ آغا طالش کے ساتھ بہت اچھے تعلقات بن گئے۔ مجھے اداکاری کے ساتھ گانے کا بھی شوق تھا۔ مہدی حسن، ملکہ ترنم نور جہاں، نذیر علی، ماسٹر عبداللہ، مشتاق علی اور فلمی صنعت کے بہت سے نامور لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات بن گئے۔ کئی موسیقار دُھن بناتے وقت مجھے بلا لیتے تھے اور رائے لیتے تھے کہ دُھن میں کوئی خامی تو نہیں ہے۔ میں اپنی سمجھ بُوجھ کے مطابق رائے دیتا تھا جو ہمیشہ درست ثابت ہوئی۔

گائیکی کے حوالے سے میں مہدی حسن کو اپنا روحانی اُستاد مانتا ہوں۔ ایسے گانے والا پہلے آیا نہ بعد میں آئے گا۔ اس نے غزل گائیکی کو ایک منفرد انداز دیا۔ میں نے گائیکی میں ہمیشہ مہدی حسن کی تقلید کی۔ ماسٹر عبداللہ میری گائیکی کو بہت پسند کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ تم پروفیشنل سنگر بن سکتے ہو مگر اسے میرے پاس آکر تھوڑا سیکھ لو۔ ان کا کہنا بجا تھا مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ میری بیوی تھی، بچے تھے، ان کے مسائل تھے۔ لہٰذا

مہدی حسن میرے روحانی اُستاد ہیں
نعت عشق رسولؐ میں ڈوب کر پڑھتا ہوں
کبھی فن کو ذریعہ روزگار نہیں بنایا

یورپ میں چودھری کلیم الدین وڑائچ نے میری سرپرستی کی

روزگار کے حوالے سے میں نے فن کو ذریعہ روزگار نہیں بنایا۔ اسے محض شوق تک رکھا۔ یتیم خانہ چوک کی مارکیٹ میں میری کپڑے کی دُکان تھی۔ سارا دن کاروبار کرتا تھا اور شام کو فلم سٹوڈیو چلا جاتا تھا۔ جتنا عرصہ لاہور رہا کبھی سٹوڈیو جانے کے حوالے سے ناغہ نہیں کیا۔ وہی میری دُنیا تھی، وہی میرا حلقہ احباب تھا۔ میں سٹوڈیوز نہ جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مجھے سٹوڈیوز کے در و دیوار سے عشق تھا۔ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ اسی دوران دس بارہ فلموں میں کام بھی کیا گوکہ یہ کردار ثانوی نوعیت کے تھے مگر نمایاں تھے۔

ان فلموں میں سیّد نور کی ''عقابوں کا نشیمن''، داؤد بٹ کی ''کفارہ'، ادریس خان کی ''روزی روٹی اور سرکار''، سلطان راہی کی فلم ''یملا جٹ'' میں غلام محی الدین کے باپ کا کردار ادا کیا۔ سعید رانا کی ''بندش''، اسی طرح اقبال کاشمیری کی فلم میں بھی کام کیا۔ جیو کی دستاویزی فلم ''تعلیم ضروری ہے'' میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ فلم کے علاوہ سٹیج ڈرامے ''بدو دا جوائی'' میں ہیرو کا کردار ادا کیا۔ یہ کردار اداکار افضل خان کر رہے تھے۔ انہیں کہیں جانا پڑا تو ان کی عدم موجودگی میں یہ کردار میں نے ادا کیا اور ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، جس پر افضل خان نے مجھے شاباش دی۔ سٹیج کی دُنیا میں میرے امان اللہ، ببو برال مرحوم، امانت چن، موسیقار اُستاد غلام صابر (مہدی حسن کے شاگرد)، افشاں بیگم، نیلم افشاں اور دیگر فنکاروں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اور آج بھی ہیں۔ میں غلام علی کی گائیکی سے بھی متاثر ہوں۔ میں نے گائیکی کا فن کسی سے باقاعدہ سیکھا نہیں ہے۔ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے سُن سُن کر سب کچھ سیکھا ہے۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں سب گاڈ گفٹڈ ہے۔

بچے بڑے ہوگئے تو وہ کاروبار سنبھالنے لگ گئے اور دس سال پہلے میں یورپ چلا آیا۔ یہاں میرا آنا ایک فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں تھا۔ یونٹ شوٹنگ مکمل کر کے چلا گیا اور میں یہاں رہ گیا۔ شروع میں بوسنیا، رومانیہ اور بلغاریہ میں رہا۔ بعد میں سپین چلا آیا۔ میں کئی سال سے یورپ میں رہائش پذیر ہوں۔ سپین میں چوہدری کلیم الدین وڑائچ نے میری ہر طرح سے سرپرستی کی۔ انہی کی کمپنی میں ملازمت کی۔ سچی بات ہے نام کی ملازمت ہے۔ انہوں نے مجھے ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے۔ میرے پاس شاندار رہائش ہے جہاں میں مزے سے رہتا ہوں۔ وہ مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ چوہدری کریم الدین وڑائچ انتہائی شفیق اور محبت کرنے والی شخصیت ہیں۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کی مدد کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ وہ یہاں پر پاکستانی کمیونٹی کے لیے بہت خدمات انجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں پاکستان میں انہوں نے 200 بچیوں کی اجتماعی شادی کا اہتمام کیا۔ اس کے سارے اخراجات انہوں نے برداشت کیے۔ اس سے پہلے دو مرتبہ 50،50 بچیوں کی شادیاں کروا

چکے ہیں۔ ان کے بھائی چوہدری علیم، چوہدری نعیم گڈو اور وسیم الدین بھی اس کارخیر میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جب اتنے مہربان دوستوں کی سرپرستی مل جائے تو سب پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ مجھے پر اللہ کا کرم ہوا اور ایسے مہربان دوستوں کا ساتھ مل گیا۔ میں بطور سنگر جرمنی، سوئٹزرلینڈ، بیلجیئم، ہالینڈ، اٹلی، آسٹریا، ویانا، پیرس میں پرفارم کرچکا ہوں۔ پیرس میں منیر بٹ صاحب بہت بڑے موسیقی نواز

سپین میں موسیقی کے بغیر نامکمل تصور کی جاتی ہے۔ میں غزل اور گیت کے علاوہ نعت بھی اچھے انداز میں پڑھتا ہوں۔ میرے دل میں اللہ اور رسولؐ کی محبت اور عشق ہے۔ جب میں حمد اور نعت پڑھتا ہوں تو اشعار میرے دل اور روح سے نکلتے ہیں۔ اس میں ایسا سوزگداز پیدا ہوتا ہے کہ اکثر اوقات مجھ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پاکستان سے بڑے بڑے لوگ جب آ کر مجھے سنتے

☆......افضل خان اور اعجاز کامران نے بہت محبت دی

☆......گائیکی کے علاوہ سٹیج ڈرامے اور فلموں میں بھی کام کیا

☆......یورپ شوٹنگ کے لیے آیا اور پھر یہیں رہ گیا

☆......کسی سے کچھ نہیں سیکھا، سب گاڈ گفٹڈ ہے

ہیں۔ ''مینا محل'' کے نام سے ان کا ریسٹورنٹ ہے۔ اسی طرح بابر چوہدری صاحب ہیں جو متعدد مرتبہ مجھے وہاں بلا چکے ہیں اور میرے فن سے محظوظ ہوتے ہیں۔

پیرس میں معروف خاتون گلوکارہ میڈم سلطانہ نے میرے ساتھ دوگانا گایا۔ اسی طرح میرے شاگردوں میں مانچسٹر میں نوشین عمران، سپین میں سدرہ اعوان، ناروے میں عالیہ اور اسی طرح سپین میں بہت سے لڑکے لڑکیاں میرے شاگرد ہیں۔ میں انہیں آن لائن اور براہ راست موسیقی کی تعلیم دیتا ہوں۔ میں عموماً مہدی حسن، غلام علی، نصرت فتح علی خان اور جگجیت سنگھ کی غزلیں اور گیت پیش کرتا ہوں۔

ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں یہاں بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے۔ ہر جگہ عزت اور پذیرائی ملتی ہے۔ میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ عشق کیا ہے اور اپنے فن سے محبت کی ہے۔ یہ سب کچھ اس کا صلہ ہے۔ مجھے تو موسیقی کا کوئی ساز ہارمونیم وغیرہ بھی بجانا نہیں آتا۔ میں نہ اُستاد ہوں اور نہ اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ بس اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ سلسلہ چل رہا ہے۔

زندگی میں شروع دن سے درویشی نمایاں رہی۔ جو مل جائے کھا لیتا ہوں۔ ویسے مچھلی اور سبزی مجھے بہت پسند ہے۔

میں سمجھتا ہوں انسان کو اس کے نصیب کا ملتا ہے۔ جو نصیب میں نہیں ہوتا وہ چھن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہ ساتھ ہے تو کسی بات کا ڈر نہیں، اس لیے کسی بات سے ڈرتا بھی نہیں ہوں۔ جو ہونا ہے ہو کے رہتا ہے، وہ ٹل نہیں سکتا۔ کبھی مجھے بہت غصہ آتا تھا مگر اب میں نے زندگی آسان بنا لی ہے۔ کسی سے معافی مانگ لی، کسی کو معاف کر دیا، کسی کی ناراضی اب برداشت نہیں ہوتی۔ اب طبیعت

سپین میں موسیقی کے بغیر محفلیں ادھوری تصور ہوتی ہیں

میں درویشی اور فقیری آ گئی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے کرم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ میں اپنے تمام بچوں کی شادیاں کر چکا ہوں۔ چھ مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ دُنیا بھر کی خوبصورتیوں کا نظارہ کر چکا ہوں۔ فنکارانہ حوالے سے کچھ کرنے کی جو کمی رہ گئی تھی وہ پوری ہو چکی ہے اور کیا چاہیے۔ دُعا ہے کہ جب تک سانس ہے اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ صحت اور ایمان کی دولت کے ساتھ یونہی برقرار رکھے۔

مظفر چودھری

سُریلے سُروں کی مخملی آواز

ٹی وی ڈراموں کیلئے اس کے گائے ہوئے تھیم سانگ مقبول ہوئے

مظفر چودھری کا نام صحافتی اور ثقافتی حلقوں کا معروف نام ہے۔ صحافتی حلقوں میں اس کی پہچان اس کی خوبصورت فوٹوگرافی سے ہے۔ ثقافتی حلقوں میں اس کی پہچان اس کی سُریلی اور مخملی آواز ہے۔ فوٹوگرافی اس کا ذریعہ روزگار ہے تو گائیکی اس کا شوق ہے۔ یہ شوق اس کے پروفیشنل پر حاوی بھی آجاتا ہے۔ سُریلے سُروں کا یہ درویش صفت فنکار شہرت اور صلے سے بے نیاز اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ بنیادطور پر اسی سفر کو آگے بڑھا رہا ہے جس کا آغاز مہدی حسن، غلام علی اور پھر پرویز مہدی اور غلام عباس نے کیا تھا۔ آواز کی خوبصورتی اور فن کی پختگی کے اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ آج خود اُستاد کے درجے پر فائز ہو چکا ہے۔ وہ فنی ناقدین کی نظر میں لیجنڈ آرٹسٹ ہے۔ اب تو بہت سے نام اور گانے والے بھی اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ وہ سُر چھیڑتا ہے تو سننے والا اس کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ اسے غزل، گیت اور پنجابی فوک پر دسترس حاصل ہے۔

مظفر چودھری کا کہنا ہے کہ اسے بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا۔ میرے ماموں نعت خوانی بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ انہی سے متاثر ہو کر سکول کے زمانے میں نعت خوانی کرنے لگا اور صوفیانہ کلام، غزل گیت گانے لگا۔ سکول کے زمانے میں بے شمار انعامات حاصل کیے۔ گھر والوں کی طرف سے گائیکی کی اجازت نہیں تھی۔ میرے بڑے بھائی ''امروز'' میں آرٹ ایڈیٹر تھے۔ میرے شوق کو دیکھ کر انہوں نے اجازت دے دی۔ ایک عزیز اثری صاحب کی صحبت حاصل ہوئی، پہلی مرتبہ میں نے ان کے لکھے ہوئے سٹیج ڈرامے میں پرفارم کیا۔ لوگ میرا گانا سننے کے لیے ڈرامہ دیکھنے آئے تھے۔ اس ڈرامے میں جو گیت گایا، اس گیت کو منظور جھلا نے تحریر کیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ سفر جاری رہا۔ اُستاد آصف اقبال سے ہارمونیم سیکھا، گائیکی میں موسیقار وزیر فضل کی شاگردی کی۔ اس کے علاوہ یوسف بھٹی اور غلام عباس سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ پرویز مہدی کو بھی اپنے اساتذہ میں شمار کرتا ہوں۔ وہ مجھے پاکستان کا جگجیت سنگھ کہتے تھے۔

مظفر چودھری کا کہنا ہے کہ موسیقی ایسا علم ہے جس کی کوئی حد نہیں، یہ ایک سمندر ہے۔ جب تک زندگی ہے انسان کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ میں اب بھی اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتا ہوں اور کچھ نہ کچھ سیکھنے کی جستجو میں رہتا ہوں۔

☆ اسے پاکستان کا جگجیت سنگھ کہا جاتا ہے

☆ اس نے کافی بلھے شاہؒ کو نیا رنگ دیا

☆ اس نے اپنے فن کو کمرشلائز نہیں ہونے دیا

لوگ اس کا گانا سننے کے لیے سٹیج ڈرامہ دیکھنے آئے

آصف علی پوتا نے اپنی ڈرامہ سیریل ''پتھر کی آنکھ'' کے لیے میری آواز میں تھیم سانگ ریکارڈ کیا۔ پھر ڈرامہ سیریل ''صاحب سرکار'' کے لیے میری آواز میں تھیم سانگ ریکارڈ کیا گیا۔ اس کے علاوہ معروف شاعر ساغر صدیقی کے حوالے سے بننے والی فلم میں ساغر ٹوٹ گیا کی ایک غزل میری آواز میں ریکارڈ کی گئی۔ اس غزل کے بول تھے ''ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں'' اس کے بعد میری آواز میں غزلوں کا ایک البم بھی ریکارڈ ہوا۔ 2003ء میں میری آواز میں مجھے بلھے شاہ کا کلام ''بلھا کیہ جاناں میں کون'' بہت مقبول ہوا۔

پرویز مہدی اور جگجیت کو اپنے اساتذہ میں شمار کرتا ہوں۔ شہرت اور عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میری اتنی سی خواہش اور دُعا ہے کہ کام کرنے کا جذبہ یونہی جوان رہے اور سننے والوں کو محظوظ کرتا رہوں۔

This is to certify that

YOU

make khas tea with

NESTLÉ EVERYDAY

تمہاری خاصیت کی پہچان NESTLÉ EVERYDAY
جو چائے کو دے خاص مزہ!

ماِئرہ خان

اسکینڈل بنا تو خاموش ہوگئی

شاہ رخ کے ساتھ کام کرنا خواب تھا

’’ورنہ‘‘ کے حوالے سے جہاں تک توقعات کا تعلق ہے، میری کسی فلم کے حوالے سے کوئی توقعات نہیں ہوتیں۔ میں صرف نروس ہوتی ہوں کہ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ اچھا ہوگا یا بُرا ہوگا...... یہی کچھ ’’ورنہ‘‘ کے حوالے سے تھا۔ اس لیے کہ فلم مکمل ہونے کے بعد میں نے دیکھی نہیں تھی۔ شعیب منصور نے اس فلم کے حوالے سے مجھے اور اپنے آپ کو لاک کرلیا تھا۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ کیسی نظر آؤں گی۔ بس یہی حوصلہ تھا کہ شعیب منصور کی فلم ہے یقیناً کچھ اچھا ہی ہو گا۔ لوگوں کی توقعات اس فلم سے بہت زیادہ تھیں۔ فلم کا موضوع بولڈ تھا۔ معاشرے میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو ہو تو رہی ہوتی ہیں مگر بہت کم لوگ اس بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ ’’خدا کے لیے‘‘، ’’بول‘‘ اور اب ’’ورنہ‘‘ میں ہیروئن کا کردار ایک جرأت مند لڑکی کا ہے جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور وہ اس کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔

سوال: آپ نے اس فلم میں ایک کمزور عورت کا کردار ادا کیا؟

جواب: میں آپ سے ایگری نہیں کرتی۔ عورت کمزور اس لیے ہے کہ وہ رو رہی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ رونے والا ہر شخص کمزور نہیں ہوتا۔ ہنسنا اور رونا زندگی کے مختلف عوامل کا ردّعمل ہے۔ دُکھ کا اظہار ہے۔ اس کے بعد ہی تو وہ لڑنے

کے لیے تیار ہوتا ہے۔

سوال: آپ نے اپنے آپ کو اس کردار میں کیسے ڈھالا؟

جواب: اگر اسکرپٹ اچھا ہو تو اداکار کا آدھا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس اسکرپٹ نے مجھے مشکل میں نہیں پڑنے دیا، یہ کردار میرے مزاج کے مطابق تھا۔

سوال: پچھلے دنوں آپ کے حوالے سے تنازع کھڑا ہو گیا تھا، سب لوگ بول رہے تھے مگر آپ خاموش تھیں کیوں؟

جواب: کبھی کبھی چپ رہنے میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ہم ایک لفظ بھی بولتے ہیں تو میڈیا مختلف رنگ دے کر بات کو مزید بڑھاوا دیتا ہے۔ ایسے حالات میں سوچتی ہوں کہ کوئی بات کرنا بے کار ہے۔ میرا اپنا ایک ماضی ہے، میرے ماضی کے حوالے سے آپ میرے حال کو جج کر سکتے ہیں۔ میں مکمل کون سی ہوں مگر کوشش ہے کہ اپنے آپ کو اچھے رول ماڈل میں پیش کروں۔

سوال: مشکل تو بہت ہے چپ رہنا؟

جواب: جی بالکل ...... چپ رہنا بولنے سے زیادہ مشکل ہے۔

انڈیا اور پاکستان لڑتے ہوئے بہن بھائی ہیں

سوال: انڈیا جا کے کام کرنا کیسا لگا؟

جواب: بہت اچھا لگا، خصوصاً شاہ رُخ کے ساتھ کام کرنے کا مزہ آیا۔ یہ میرا ڈریم تھا۔ میں نے سوچا تھا اگر بالی وڈ میں کام کیا تو شاہ رُخ کے ساتھ کروں گی۔ ''رئیس'' بننے میں دو سال لگے۔ اس دوران آنا جانا رہتا تھا۔

سوال: کوئی چیلنجز کا سامنا بھی کرنا پڑا؟

جواب: چیلنج یہی تھا کہ اکیلی تھی اور وطن سے دُور تھی۔ میں کراچی سے نکل جاؤں تو اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتی ہوں۔

سوال: کوئی اور پراجیکٹس ہیں انڈیا میں؟

جواب: نہیں ...... اب حالات ایسے نہیں ہیں۔

سوال: پاکستان میں بھی اور انڈیا میں بھی کچھ لوگ ہیں جو اس طرح کی مشترکہ پروڈکشنز کے خلاف ہیں؟

جواب: بطورِ فنکار میں اس روّیے کے خلاف ہوں۔ فنکارانہ سرگرمیوں پر پابندی نہیں ہونی چاہیے۔

سوال: آپ کے کسی فین نے آپ کے انڈین فلم میں کام کرنے پر اعتراض کیا ہو؟

جواب: بالکل نہیں ...... ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یقین کریں میرا اِک خواب تھا کہ ''رئیس'' پاکستان میں لگے گی اور میں اپنی آڈینس کے ساتھ دیکھ سکوں گی۔

سوال: کتنا پوٹینشل ہے پاک بھارت مشترکہ پروڈکشن کا؟

جواب: انڈیا اور پاکستان لڑتے ہوئے بہن بھائی ہیں۔ دونوں کے ایک ساتھ کام کرنے کا مارجن ہے۔ اب راحت فتح علی خان کا گانا اکشے کمار پر فلمایا جاتا ہے تو دیکھ کر مزہ آتا ہے۔ بھارتی گلوکارہ ہرش دیپ کور میری پسندیدہ گلوکارہ ہیں۔ انہوں نے ''بلے بلے اور ظالما'' جیسے گانے میرے لیے گائے۔

سوال: ایسا رول جو آپ کسی بھارتی فلم میں کرنا چاہتی ہوں؟

جواب: کچھ نہیں کہہ سکتی۔ نئی بھارتی فلمیں کم دیکھی ہیں، البتہ پُرانی فلمیں بہت دیکھی ہیں۔ ان میں بہت سے کردار مجھے بہت پسند ہیں۔ امراؤ جان، پاکیزہ اور بیان کے کردار مجھے پسند ہیں۔

سوال: ٹی وی ڈراموں سے شہرت ملی، فلموں میں آئیں، پھر سے ڈرامے کیوں نہیں کر رہیں؟

جواب: وقت کی کمی۔ بیک وقت کام نہیں کر سکتی۔ ٹی وی ڈرامہ بھی کمٹمنٹ ہوتی ہے۔ ڈراموں میں بھی کام کرتی رہوں گی۔ آئی لو ڈرامہ، مزہ بھی آتا ہے کام کرنے کا۔

سوال: فلموں میں آپ کا ڈانس بہت اچھا تھا، یہ کہاں سے سیکھا؟

جواب: اپنے آپ سے سیکھا، کہیں سے نہیں سیکھا۔ اگر سیکھا ہوتا تو اور اچھا کرتی۔ ''رئیس'' میں کوریوگرافر نے بہت محنت کی۔ پاکستان میں بھی میگھا نے مجھ سے اچھا کام کرایا۔

ورنہ کا کردار میرے مزاج کے مطابق تھا
دنیا بھر میں سینما کلچر ختم ہو رہا ہے

سوال: پاکستان میں شائقین کا سینما جانے کا رُجحان کیوں بدل نہیں رہا؟

جواب: جتنے سینما ہمارے ہاں ہیں، اس حوالے سے ہم اچھا بزنس کر رہے ہیں۔ دُنیا بھر میں سینما جانے کا کلچر ختم ہو رہا ہے۔ ہالی وڈ والوں کو سمجھ نہیں آ رہی کیا کریں۔ اب وہاں بھی سوشل کی بجائے تھور اور اونجر جیسی فلمیں پیسے بنا رہی ہیں۔ یہ بھی رشیا اور چائنا میں بنا رہی ہیں۔ دُنیا بھر میں سینما پیچھے جا رہا ہے۔ اب لوگ موبائل فون اور ٹی وی پر سینما موویز دیکھ رہے ہیں تو لوگ سینما کیوں جائیں گے۔

سوال: جو لڑکیاں اور لڑکے اس فیلڈ کو جوائن کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: ہمیشہ یہی کہتی ہوں، میرے خیال میں آج کل آسانی سے کامیابی مل جاتی ہے، خصوصاً اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے۔ راتوں رات مشہور ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں شہرت اور کامیابی مل جانا بڑی بات نہیں، اصل بات اسے برقرار رکھنا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔

عارف لوہار

"شہرت نے فقیری دی"

نام بنتا گیا اور طبیعت میں عاجزی آتی گئی

جگنی ماسٹر

Arif LOHAR

■ مقصود گوہر

عارف لوہار پنجاب کی فوک داستانوں کی مجسم تصویر ہے۔اسے گائیکی کا فن ورثے میں ضرور ملا مگر اس نے جس محنت اور ہمت سے اس سفر کو آگے بڑھایا اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔آج وہ عزت اور شہرت کے جس مقام پر ہے، اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ربّ کی خاص کرم نوازی نہ ہو اس مقام تک نہیں پہنچا جاسکتا۔شہرت کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر بھی عارف لوہار میں جو انکساری اور عاجزی ہے وہ کم ہی نظر آتی ہے۔گزشتہ دنوں اس فقیر منش فنکار سے اس کے دفتر میں تفصیلی نشست ہوئی۔اس دوران ہونے والی گفتگو کی تفصیل قارئین کی نذر ہے۔

سوال: والد صاحب کی وفات کے بعد گائیکی کے سفر کو جاری رکھنے کے لیے کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: دُنیا میں آ کے جب آپ دُنیا کا سفر شروع کرتے ہیں تو پہلی بات سکھائی جاتی ہے وہ پیار ہے۔ پیار کا جذبہ انسان ماں کی کوکھ سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب وہ ہوش پکڑتا ہے تو دُنیاداری سیکھنا شروع کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ آپ کو گھر سے تربیتی کیسی ملی ہے اور آپ کس طرح کی دُنیادادی سیکھ رہے ہیں۔ میرا بڑا سادہ سا گھر تھا۔میرے والد سادہ انسان تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خوبصورت آواز سے نوازا تھا۔فوک فنکار کبھی بنایا نہیں جاتا بلکہ پیدا ہوتا ہے۔اردگرد کا ماحول اسے اس طرف لے آتا ہے۔ میرے والد صاحب کے گائے ہوئے سپر ماسٹر وائس کمپنی کے ریکارڈ فروخت ہوئے تھے۔ گاؤں میں کچھ نہ کچھ گا سنا کر انعام لیتے تھے۔

اس دور میں انہوں نے بے پناہ شہرت پائی، میں اس وقت چھ سات کا تھا۔ مجھے جب سکول سے چھٹی ہوتی تھی تو میں اکثر والد صاحب کے ساتھ میلوں ٹھیلوں میں چلا جاتا تھا۔ میری شروعات تو میری آنکھ کھولنے سے ہی ہو چکی تھیں۔ بقول میری والدہ کے جب میں نے آنکھ کھولی تو میں نے والد صاحب کی طرف دیکھا اور انہوں نے شہد کی گھٹی مجھے دی۔ مجھے لگتا ہے جب میرے والد صاحب نے مجھے گھٹی دی تو سب کچھ عشق کی شکل اختیار کر کے میرے اندر منتقل ہو گیا۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو مجھے اپنے والد سے زیادہ کوئی اور اچھا نہیں لگتا تھا۔اولاد کے لیے اس کا باپ ہیرو ہوتا ہے۔ اللہ نہ کرے اسے کچھ ہو۔3 جولائی 1979ء شاکے بھٹیاں کے پاس میرے والد کا کار ایکسیڈنٹ ہوا۔ رات کو انہوں نے مجھے کہا کہ کل ہم دونوں سادو کی گاؤں میں گانے کے لیے جائیں گے۔تم کھانا تیار کرا کے ساتھ رکھ لینا جہاں بھوک لگے گی تو کھالیں گے۔ میں اس تیاری میں تھا کہ اچانک ایک لڑکے نے اطلاع دی کہ تمہارے والد فوت ہو گئے ہیں۔ میرے واسطے یہ لفظ بڑے بھاری تھے۔ میں اُٹھا اور لاٹھی اُٹھا کے اس لڑکے کے سر میں دے ماری۔ میں نے کہا ایسا مذاق مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ میرا والد صاحب کے ساتھ ایسا لگاؤ تھا کہ میں ان کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سُن سکتا تھا۔ اس لڑکے کے سر سے خون نکلنے لگ گیا۔ اس نے درد سے کراہتے ہوئے کہا کہ سچی مچی یار، تمہارے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں ششدر رہ گیا۔ جب مجھے لالہ موسیٰ لے کر گئے تو وہاں عجیب ماحول دیکھا، وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اشکبار تھے۔ میرے والد کے مشتاق کا ایک

ہجوم تھا، گو کہ میڈیا اس دور میں ترقی یافتہ نہیں تھا مگر فنکاروں نے اپنی تحریروں کے ذریعے میرے والد صاحب کو زندہ رکھا ہے۔ میرے والد صاحب کا جب انتقال ہوا تو وہ عجیب لمحہ تھا۔ابھی میں نے زندگی کا کوئی پلان نہیں کیا تھا۔ میں تو اپنے والد کا عاشق تھا۔محض انہیں دیکھنے کے لیے بروقت ساتھ رہتا تھا، میں تو انہیں دیکھ پر جیتا تھا کہ اچانک سارا منظر ہی بدل گیا۔اس موقع پر بڑے بڑے لیجنڈ تشریف لائے جس میں شوکت علی، عنایت حسین بھٹی شامل تھے۔لوگ میرے والد

پنجاب کی ساری فوک داستانوں کا مجموعہ ایک عالم لوہار اور ایک عارف لوہار ہے

سے محبت کرتے تھے۔ان کا بہت احترام کرتے تھے...... خیر میری دُنیا ہی اُجڑ گئی تھی۔ میرے والد صاحب کے دوست اور تھیٹر کے ایک بہت بڑے فنکار تھے، ماسٹر اسماعیل، ان سے میرے والد صاحب نے کہا تھا کہ اگر کچھ مجھے ہو جائے تو آپ نے میرے بیٹے کا ساتھ دینا ہے۔ والد صاحب کے بعد ماسٹر اسماعیل صاحب نے میرا ہاتھ تھاما اور کہا چل ہم اُسی تھیٹر کو دوبارہ لے کر چلتے ہیں جو تمہارے والد صاحب نے شروع کیا۔ پھر میں نے ایک عرصہ تھیٹر میں گزارہ اور سیکھنے کے عمل سے گزرا۔ میرے اُستاد تھے ماسٹر جمیل صاحب جو والد صاحب کی زندگی میں ہی گانے کی مشق مجھے کراتے تھے اور بعد میں بھی انہوں نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔تھیٹر میں لوگ مجھے یعنی عالم لوہار کے بیٹے کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق تشریف لاتے تھے۔لوگوں کا مجھے اتنا زیادہ پیار ملا جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پہلے مجھے اُستاد محترم گاؤں کے چھوٹے چھوٹے میلوں میں لے جاتے

ماسٹر اسماعیل نے میرا ہاتھ تھاما اور دوبارہ تھیٹر کا آغاز ہو گیا

رہے، پھر چند سال بعد بڑے میلوں میں لانے لگے جہاں مقابلے ہوتے تھے۔ میں ساری ساری لوک داستانیں یاد کرتا۔ والد صاحب کے گائے ہوئے گیت یاد کرتا۔ مشق کرتے کرتے میرے گانے کی ٹائمنگ اتنی اچھی ہو گئی کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ گاتے گاتے کب رات بیت گئی۔ پھر مختلف اولیاء کرام کے مزارات پر گانے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بارش ہونے لگی۔ کہیں سے چادر ملتی اور کہیں دستار بندی ہوتی۔ میرے والدین کی دُعاؤں کے طفیل میرا اتنا نام بن گیا کہ میں جہاں بھی تھیٹر لگاتا تھا لوگ مجھے جوق در جوق دیکھنے آتے تھے۔ پاکستان کے پورے پنجاب اور سندھ تک گانے کے لیے گیا۔ ہر جگہ پذیرائی ملی۔ 20 سال تک تھیٹر کیا، میری والدہ نے مجھے کہا تھا کہ تم نواب گھر سے نہیں ہو، عالم لوہار کے بیٹے ہو۔ اپنی ہمت سے کچھ کر سکتے ہو تو کرلو، گھر سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ 20 سال تک میں نے ٹرک کے ٹول پر سفر کیا۔ اسی ٹول میں میرا بستر ہوتا تھا۔ آرام بھی کرتا تھا اور سفر بھی اور اگلے میلے پر جا کر گانا گاتا تھا۔ میں وہ بیٹا تھا جس کے باپ کے پاس سات گاڑیاں تھیں، جب ربّ بادشاہی چھینتا ہے تو کچھ نئے راستے بھی بناتا ہے۔ شاید میری تربیت کے لیے یہ سب کچھ ضروری تھا۔ میں اپنی والدہ کا بے حد مشکور ہوں کہ اگر وہ مجھے لاڈ کرتی اور وسائل مہیا کر دیتی تو شاید میں اتنی محنت نہ کرتا اور اس مقام تک نہ پہنچ پاتا۔ مجھے جو روزانہ چار پانچ سو ملتے تھے، وہ میں خود خرچ کرتا تھا۔ بادام وغیرہ کھا جاتا تھا۔ میرے والد کے چاہنے والے میرے کھانے کے لیے بہت کچھ لے آتے۔ کہیں سے دودھ آ رہا ہے، کہیں سے کوئی اور سوغات آ رہی ہے۔ 20 سال کا عرصہ میری جدوجہد کا عرصہ ہے۔ اس دوران میں 14 سال پی ٹی وی کے گیٹ پر کھڑا رہتا تھا۔ انہیں یاد دلاتا تھا کہ میں کون ہوں، مجھے موقع دیا جائے۔ میرے والد صاحب کے دوست رفیق وڑائچ ایک دن مجھے ملے، انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا جب سنتا ہوں خہ تم گیٹ پر کھڑے تھے میں تمہیں پاس بنا دیتا ہوں، تم اندر آجایا کرو۔ ایک اور جملہ انہوں نے کہا، تم کوئی ایسا کام کر کے آؤ کہ پی ٹی وی کے دروازے خود تمہارے لیے کھل جائیں۔ یہ جملہ میرے لیے انسپائریشن بنا۔ میرا فنی سفر یونہی جاری رہا۔ تھیٹر بھی کرتا رہا اور ٹی وی پروگرام بھی کرتا رہا۔ پھر نیلام گھر میں شرکت کی۔ ''پھڑاج دی شام'' میں حصہ لیا۔ پھر مجھے صحیح معنوں میں فرخ بشیر کے پروگرام سے بریک تھرو ملا۔ پھر

تھیٹر ختم ہو گیا مگر فوک اپنی جگہ موجود ہے

فوک فنکار پیدا ہوتا ہے بنایا نہیں جاسکتا

میرا فنی سفر آنکھ کھولتے ہی شروع ہو چکا تھا

جو لباس پہنتا ہوں اس کا تعلق پنجاب کی ثقافت سے ہے

میں جس طرح گاؤں میں مقبول تھا، اسی طرح شہر میں بھی مقبول ہونا شروع ہو گیا۔

سوال: اب فوک بھی تھیٹر پر منتقل ہو گیا اور اس قدیم تھیٹر کی روٹی ختم ہو گئی ہے۔

جواب: جی...... تھیٹر اپنی مدد آپ کے تحت چلتا رہا۔ اسے حکومتی سرپرستی نہ مل سکی اور پھر زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ رفتہ رفتہ ختم ہو گیا مگر فوک اپنی جگہ پر موجود ہے۔

سوال: مگر وہ فوک اور تانیں اور ان سے جڑا ہوا ثقافتی ورثہ آگے منتقل نہیں ہو رہا؟

جواب: اصل میں ہم نے اپنے کلچر کے حوالے سے کام بھی نہیں کیا۔

سوال: مگر ہمسایہ میں ملک گیت، بھنگڑا اور دیگر ثقافتی حوالوں سے سکول، کالج اور یونیورسٹی لیول پر کام ہو رہا ہے؟

رفیق وڑائچ نے کہا کہ کوئی ایسا کام کر کے آؤ کہ پی ٹی وی کے دروازے خود بخود کھل جائیں

جواب: جی آپ نے صحیح فرمایا۔ میری زندگی گزر گئی ہے بعض چیزوں کی وضاحت کرتے۔ میں جو کپڑے پہنتا ہوں، جو جیولری پہنتا ہوں ان کا تعلق پنجاب کی ثقافت سے ہے۔ ''ہیر رانجھا'' اور ''مرزا جٹ'' کی داستانوں کا اس سے تعلق ہے۔ میں لوک فنکار ہوں تو میرا لوک پہناوہ ہوتا ہے۔ کُرتا، دھوتی، کُھسہ وغیرہ سب پنجاب کے پہناوے ہیں۔ ''ہیر رانجھا''، ''مرزا جٹ'' جیسی تمام داستانوں کا مجموعہ بنایا جائے تو ایک عالم لوہار اور ایک عارف لوہار بنتا ہے۔ میں نے ساری زندگی اپنی دھرتی کی نمائندگی کی ہے۔ میں نے گزشتہ دنوں کالجوں میں شو کیے۔ اپنے ٹین ایجز

والد صاحب کے انتقال سے سارا منظر ہی بدل گیا

بچوں کو اپنی دھرتی کے گیت سنائے تا کہ انہیں ''ولٹھے دی چادر'' نہ بھولے۔ اس کے ساتھ انہیں صوفی کلام سنایا۔ میں ان لوگوں کا شکر گزار ہوں جو اس قسم کے پروگرام آرگنائز کر کے فنکاروں کو دعوت دیتے ہیں تا کہ ہم اپنی ثقافت کی خوشبو بکھیر سکیں تا کہ اگلی نسل میں اس کا شعور پیدا ہو سکے۔

سوال: اگر تھیٹر ختم ہو گیا تو ہماری آرٹ کو نسلیں یہ کام کر سکتی ہیں؟

جواب: بالکل ...... فوک فیسٹیول منعقد کیے جاسکتے ہیں۔ گاؤں کے فنکاروں کو متعارف کرایا جاسکتا

ہے۔ ان کی روٹی روزگار کے ذرائع پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

سوال: رفیع پیر تھیٹر کرا سکتا ہے تو حکومت کیوں نہیں؟

جواب: رفیع پیر تھیٹر نے بین الاقوامی سطح پر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے پوری دُنیا کے فنکار اپنے ملک میں بلائے، یہ بہت بڑی بات ہے۔

سوال: پھر آپ فلم کی طرف آئے؟

جواب: جی میں نے 46 فلموں میں کام کیا۔ ان میں جو کردار ادا کیے وہ میری شخصیت سے مماثلت رکھتے تھے۔ فلم ''زندگی'' میں میرے دادا کی اصل کہانی تھی جسے فلم میں پیش کیا گیا۔ دادا سلطان راہی اور پوتا میں بنا تھا۔ عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی نے بھی کام کیا۔ یہ فلم بہت کامیاب رہی۔

سوال: کبھی غزل وغیرہ گانے کو بھی جی چاہا؟

جواب: نہیں میں اپنے سٹائل اور کیٹگری کے مطابق گاتا ہوں۔ غزل گائیکی میرا اسٹائل نہیں ہے البتہ میں نے لائٹ میوزک میں صوفی کلام گایا ہے لیکن سارا کام اپنے انداز کے مطابق کیا ہے۔ میرے گیتوں نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے۔

سوال: آپ نے اپنے والد سے انسپائریشن لی اور ان کے کام کو آگے بڑھایا، اب اپنی اگلی جنریشن کے حوالے سے کیا دیکھ رہے ہیں؟

جواب: میرے بیٹے علی لوہار نے ساڑھے تین سال کی عمر میں پرفارمنس دی۔ ٹیوتیوب پر اس کا ویڈیو دیکھ سکتے ہیں۔ اب تو وہ 9 سال کا ہو گیا ہے۔ امریکہ کے مختلف شہروں میں اُس نے گایا، لوگوں خاص طور پر بچوں نے بہت پسند کیا۔ باقی یہ چیزیں وراثت میں ملتی ہیں، اگر میرے بچے اپنی ہمت کے ساتھ انہیں لے کر چلیں تو اچھی بات وگرنہ زبردستی تو نہیں کی جاسکتی۔ میرے تین بچے ہیں۔ دیکھیں ان میں

والدہ نے کہا عالم لوہار کے بیٹے ہو اپنی محنت سے کچھ کر سکتے ہو تو کرلو

سے کون شروع کرتا ہے۔ ان کے لیے بہت بڑا چیلنج ہوگا کیونکہ دادے کا اتنا بڑا نام ہے اور باپ نے جو خدمت کی ہے وہ بھی ان کے سامنے ہے۔ انہیں یہ سب دیکھنا ہوگا کہ ان کے بزرگوں نے کیسے محنت کی، انہیں ہماری نسبت زیادہ محنت کرنا ہوگی۔

سوال: گائیکی تو پروفیشن ہے، تفریح کیا ہے؟

جواب: میری تفریح بھی یہی ہے۔ گھر میں ہوں تو مختلف گانے سنتا رہتا ہوں یا مختلف فلمیں دیکھتا ہوں۔ وحید مراد یا اکمل کی فلم دیکھ لی۔ ہمارے ہاں بڑی بڑی اچھی فلمیں بنی ہیں۔

سوال: شاعری بھی کرتے ہیں؟

جواب: جی میں نے شاعری نہیں کی۔

سوال: زندگی سفر میں کبھی مایوسی بھی آئی؟

جواب: کبھی مایوسی والا ماحول ضرور بن جاتا ہے مگر میں کبھی مایوس نہیں ہوا۔ اگر آپ کے اندر جذبہ ہو تو آپ مایوسی کو طاری نہیں ہونے دیتے۔ ہر گول آپ کا نہیں ہے، کبھی کوئی لے جائے، کبھی کوئی لے جائے گا، سب کے لیے دُعا کریں اور اپنی باری کا انتظار کریں۔

سوال: قسمت پر کتنا یقین ہے؟

جواب: قسمت محنت سے بنتی ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اب صرف پاکستان کے لیے گاتا ہوں

یہ کائنات کا نظام ہے جو محنت کرتا ہے اُسے صلہ ضرور ملتا ہے۔

سوال: صدمے کو کس طرح ہینڈل کرتے ہیں؟

جواب: سب کچھ اللہ کی رضا پر چھوڑ دیتا ہوں، خاموش ہو جاتا ہوں کہ اللہ میری مدد فرمائے گا۔

سوال: شہرت نے کیا دیا؟

جواب: شہرت نے مجھے فقیری دی۔ جس طرح نام بنتا گیا دل اور سوچ عاجزی پیدا ہوتی گئی۔ یہی میرے والد صاحب کی خصوصیت تھی۔ ان میں انکساری اور عاجزی بہت زیادہ تھی۔ یہ سب کچھ میرے خون میں شامل تھی۔ جیسے جیسے شہرت ملتی گئی میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا چلا گیا۔ اس کی ذات کے آگے جھکتا چلا گیا۔

سوال: شہرت سے کچھ کھویا بھی؟

جواب: میں نے اپنا بچپن کھو دیا، میں زیادہ کھیل نہیں سکا۔ اب میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت کھیلتا ہوں۔ خود ان خوشیوں سے محروم رہا ہوں اس لیے اپنے بچوں کو بہتر وقت دیتا ہوں۔ باقی شہرت کے سبب آدمی محدود ہو جاتا ہے بلکہ پبلک فگر کی وجہ سے محتاط ہونا پڑتا ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے اور اپنا مقام کیا ہے۔ پھر بیرون ملک اپنے ملک کے وقار کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

سوہنا ربّ جدھر لے جائے چلا جاتا ہوں

سوال: انڈیا جاتے ہیں، وہاں اور یہاں کے ماحول میں فرق نظر آیا؟

جواب: وہ اچھے انداز میں ویلکم کرتے ہیں، بڑی عزت دیتے ہیں۔ ہم بھی ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ وہاں پنجابی فوک کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ وہ میری آواز کی اوریجنلیٹی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ کبھی کبھی سازندے ساز ینہ گرا کے صرف میری آواز سنتے ہیں۔

سوال: زندگی کا فائنل ٹارگٹ کیا ہے؟

جواب: میرا کوئی ٹارگٹ نہیں، میرا سوہنا ربّ جدھر لے جاتا ہے چلا جاتا ہوں۔ میرا جو خواب تھا اللہ کی مہربانی سے کافی حد تک پورا ہو چکا ہے۔ میں اب بھی اتنی ہی محنت کرتا ہوں۔ فنکار کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اچھی سے اچھی چیز کی تلاش میں رہتا ہے۔ اب تو یہی سوچتا ہوں کہ اللہ میرے ملک اور اس دھرتی کی خیر کرے۔ میں اب پاکستان کے لیے گاتا ہوں۔ دُنیا بھر میں اپنے وطن کی نمائندگی کرتا ہوں۔

اعتبار ہر نسل کا...
SUPER asia
APPLIANCES
Washing Machines | Water Dispensers
Air Conditioners | Room Air Coolers
Fans | Microwave Ovens
Water Heaters |
www.superasia.biz